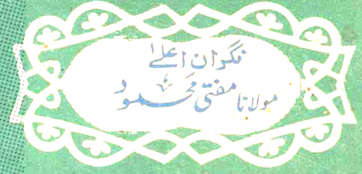
ہفت روزہ

ترجمان اسلام

لاہور



مولانا مفتی محمود مدظلہم سے دو اہم انٹرویوز

پی این اے بلوچستان کے سیکرٹری نشر و اشاعت سے ایک ملاقات

غالب کی بیوی کا کلام، دارالعلوم اور مسائل

طلباء کی سرگرمیاں، اور شہر شہر سے خبریں

۱۵ تا ۲۱ ستمبر ۱۹۷۸ء | قیمت: ایک روپیہ | شمارہ: ۳۷

سیّد امین گیلانی

نئی کابینہ

حسنِ تدبیر سے، ہر دُکھ کا مداوا کر دو ظلم کو پست کرو، عدل کو بالا کر دو
اپنے اعمال سے اس ملّتِ مایوس میں پھر اک نیا جوش نیا ولولہ پیدا کر دو
تم میں اخلاص اگر ہے تو اس اخلاص کے ساتھ آشتی پیدا کرو، امن مہیا کر دو
رنگ اور نسل کا جھگڑا کہاں اسلام میں ہے ایک ہیں سارے مسلمان یہ چرچا کر دو
کوئی پھیلا نہ سکے قوم میں اب بغض و عِناد ٹیڑھ ہے جن کے دلوں میں انہیں سیدھا کر دو
کچھ بھی الحاد کو سوجھے نہ بجُز راہِ فرار یوں مسلمان کے ایمان کو تازہ کر دو
غیرتِ دیں ہے تو جڑ کاٹ دو فحاشی کی رخصت اس پاک وطن سے مئے و مینا کر دو
کچھ تو آسان کرو جینے کی راہیں ہم پر کچھ تو مہنگائی کے اس بوجھ کو ہلکا کر دو
غنڈہ گردی کا جو عالم ہے وہ تم جانتے ہو جی سکے کوئی شریف آدمی اتنا کر دو
ایک مدّت سے اندھیروں میں بھٹکتی ہے یہ قوم اپنے کردار کے سورج سے اُجالا کر دو

تم بھی یہ کام اگر کر نہ سکو پھر یارو
زہر گیلانی کو دے کر اسے چلتا کر دو

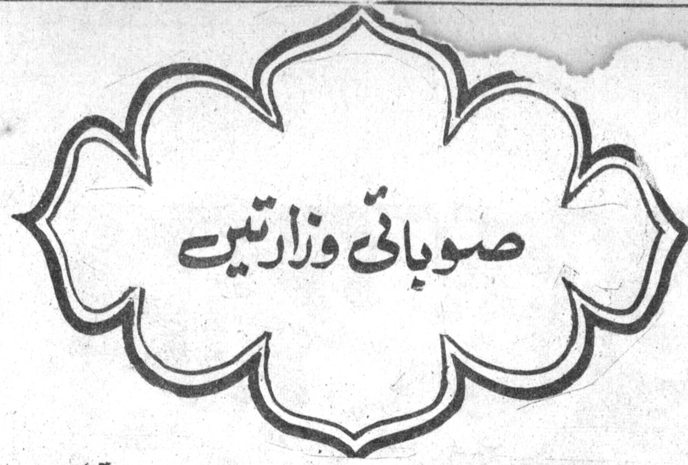


جلد نمبر ۲۱ شمارہ نمبر ۳۷
جمعۃ المبارک ۱۵ ستمبر ۷۸ء ۱۲ شوال ۹۸ھ

سرپرست
مولانا عبیداللہ انور
مدیر
اکرام القادری
مدیر معاون
عمیر الہاشمی

بدل اشتراک
سالانہ
۴۵ — روپے
ششماہی
۲۳ — روپے
سہ ماہی — ۵۰/۱۱ روپے
فی پرچہ
ایک روپیہ

یکے از مطبوعات
جمعیۃ علماء اسلام پاکستان



پاکستان قومی اتحاد کی حکومت میں شمولیت اور موجودہ وفاقی کابینہ کی تشکیل کے بعد عوام صوبائی حکومتوں کے جلد قیام کا بے تابی سے انتظار کر رہے ہیں۔

توقع کی جا رہی ہے کہ پاکستان قومی اتحاد کے صدر، اور چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر جنرل محمد ضیاء الحق میں آئندہ دس روز کے اندر اندر اس سلسلے میں مذاکرات ہوں گے۔ مذاکرات سے قبل ۱۱ ستمبر کو قومی اتحاد کی جنرل کونسل کا اجلاس ہو گا جس میں دیگر امور کے علاوہ صوبائی وزارتوں کی تشکیل کے سلسلے میں قومی اتحاد کی طرف سے اختیار کیے جانے والے مؤقف سے جنرل ضیاء الحق کو آگاہ کیا جائے گا۔

اور اس طرح سے دونوں رہنما مولانا مفتی محمود اور جنرل ضیاء الحق صوبائی وزارتیں قائم کرنے کے سلسلے میں کسی متفقہ فارمولے پر رضا مند ہو جائیں گے۔

مگر اس کے ساتھ ہی جنرل صاحب کا وہ بیان جو قومی اخبارات میں صوبائی وزارتوں کے بارے میں چھپا ہے اور جس میں انہوں نے کہا ہے کہ صوبائی وزارتوں کی ابھی کوئی جلدی نہیں ہے، وفاقی کابینہ کے تجربہ کے بعد اس سمت میں کوئی قدم اٹھایا جائے گا، عوام کے لیے خاصا پریشان کن بنا ہوا ہے۔ کیونکہ بظاہر صوبائی وزارتیں ہی ایسی وزارتیں ہوتی ہیں جن کا تعلق براہِ راست صوبوں کے عوام سے ہوتا ہے اور وہی عوام کے مسائل کو بلا تاخیر حل کر سکتی ہیں، عوام اپنے گوناگوں مسائل کا حل چاہتے ہیں جو ایک عرصہ سے الجھے چلے آ رہے ہیں۔ صوبائی وزارتوں کے قیام کے بعد ہی عوام اپنی ضرورتیں صوبائی وزراء کے سامنے رکھ سکتے ہیں۔

پاکستان قومی اتحاد کے صدر مولانا مفتی محمود نے درست فرمایا ہے کہ اگر صوبائی حکومتوں کی تشکیل میں تاخیر ہوئی تو مرکزی وزراء کے لیے دشواریاں اور پیچیدگیاں پیدا ہو جائیں گی۔

ہم مفتی صاحب کی تائید میں عرض کرتے ہیں کہ دشواریوں اور پیچیدگیوں کا آغاز ہو چکا ہے، ہر ضرورت مند اور پریشانِ حال مرکزی وزراء کے تعاقب میں نظر آ رہا ہے جبکہ مرکزی وزراء کی مصروفیات فی الحال اس امر کی متحمل نہیں کہ ہر ضرورت مند کی وہ تسلی و تشفی کر سکیں۔

پاکستان قومی اتحاد پنجاب کی جنرل کونسل نے بھی ایک قرارداد کے ذریعہ صوبائی حکومتوں کی جلد تشکیل کا مطالبہ کیا ہے اور یہی عوام کے دل کی آواز ہے اور اسی کو ملک و قوم کے لیے سود مند قرار دیا جا سکتا ہے کہ صوبائی وزارتوں کا جلد از جلد قیام عمل میں آئے تاکہ تخریبی عنصر کو کسی قسم کی افراتفری اور بدامنی پھیلانے کا موقع ہاتھ نہ آئے۔

ہم امید کرتے ہیں کہ جنرل صاحب اس سلسلے میں فوراً مثبت قدم اٹھا کر اس بارِ گراں سے سبکدوش ہوں گے۔ اور حکومت کو دلجمعی کے ساتھ تعمیری مقاصد کے لیے کام کرنے کا موقع فراہم کرنے کا اعزاز حاصل کریں گے جس کا موجودہ دور میں اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا، موقت ملک و قوم کو جس یک جہتی یگانگت اور خود اعتمادی کی ضرورت ہے اس سے پہلے کبھی نہ تھی۔

پاکستان قومی اتحاد کے صدر

مولانا مفتی محمود سے ایک اہم انٹرویو

مجیب الرحمٰن شامی

مولانا مفتی محمود، راولپنڈی میں ہوں تو ان کا قیام جامعہ اسلامیہ کشمیر روڈ میں رہتا ہے۔ بالائی منزل کے ایک حجرے میں ——— ۲۲ اگست کو ان سے ٹیلیفون پر بات ہوئی اور ملاقات کے لیے ۹½ بجے رات کا وقت مقرر ہوا۔ جامعہ اسلامیہ پہنچا، تو مفتی صاحب عشاء کی نماز ادا کر رہے تھے۔ میں برادران عزیز مختار حسن اور مسعود ساحر کے ہمراہ انتظار کی لذت میں ڈوبنے کا ارادہ کر رہا تھا کہ جناب صبح صادق کھوسو تشریف لے آئے۔ ان سے باتیں ہوتی رہیں۔ کھوسو صاحب کا ذہن توانا، لہجہ والہانہ اور تیور مجاہدانہ تھے۔ وہ ۱۹۵۶ء سے جمیعت العلمائے اسلام میں شامل ہیں اور کل انہیں وزیر کی حیثیت سے حلف اٹھانا تھا ——— چند لمحوں بعد مفتی صاحب انٹرویو کے لیے تیار تھے۔ حجرے میں پہنچے تو وہ ایک چٹائی پہ عقیدت مندوں کے ہجوم میں گھرے بیٹھے تھے۔ سینیٹر محمد زمان اچکزئی بھی تشریف فرما تھے۔ یہی چٹائی جناب مفتی صاحب کا "ڈرائنگ روم" تھی۔ چھوٹے سے کمرے کے ایک کونے میں چارپائی پڑی تھی، یہ ان کا "بیڈ روم" تھا۔

مفتی صاحب پر ذیابیطس کا حملہ شدید ہے لیکن وہ اسے نظر انداز کرتے آ رہے ہیں۔ دائیں پاؤں کے انگوٹھے پر زخم ہوا، انگوٹھے کا ناخن کٹا، ابھی تک ٹانگ پر بھی سوجن ہے، لیکن مفتی صاحب کی سرگرمی کو ان کا زخم روک نہیں سکا۔ وہ قوم کے زخموں کا مرہم ڈھونڈنے میں ہمہ تن مشغول ہیں اور اپنا زخم یاد ہی نہیں رکھتے ——— مارچ ۷۷ء کے انتخابات کی مہم کے دوران بھی ڈاکٹروں نے انہیں مشورہ دیا تھا کہ زیادہ آرام اور کم کام ——— ان کی صحت کے بارے میں شدید خدشے بھی ظاہر کیے گئے تھے، لیکن مفتی صاحب کام کے آدمی ہیں، آرام سے کیا کام؟

وہ ملک بھر میں اس طرح گھومتے پھرے جیسے بالکل صحت مند ہوں، جیسے بیماری ان کے قریب تک نہ ہو اور واقعی بیماری کو انھوں نے قریب نہیں آنے دیا۔ کسی سے شکست نہ ماننے والا بیماری سے شکست کیسے مان سکتا ہے؟ ان کی توانا قوتِ ارادی شکست سے واقف ہی نہیں وہ تو بس شکست دینا ہی جانتی ہے۔ مفتی صاحب کھدر پہنتے، دو ٹوک بولتے، سادہ کھاتے، انکساری برتتے، پہلودار تجزیے کرتے، کارکنوں سے گھل مل جاتے، ہر لحظہ ہنستے مسکراتے اور سیاست کے منہ زور گھوڑے پر بڑی مہارت سے سواری فرماتے ہیں ——— واقعات کی کوئی تفصیل ان کی نظر سے اوجھل نہیں ہو پاتی۔ ان کے لہجے میں متانت، بات میں صداقت اور تجزیے میں ذہانت کھل کھل جاتی ہے

باقاعدہ سوال جواب سے پہلے کچھ گپ شپ بھی رہی۔ "آف دی ریکارڈ" کا سلسلہ بھی چلا۔ میرے کان مفتی صاحب کی باتوں پر تھے اور آنکھوں کے سامنے اس شخص کے گزشتہ دور کے نقش ابھر رہے تھے ——— یہ وہ شخص ہے جس کے فکر و نظر، سوچ کے انداز سے اختلاف ہو سکتا ہے، لیکن اس سے اختلاف نہیں کہ اس نے سرحد کی وزارتِ اعلیٰ اس شان سے سنبھالی کہ اسلامی اقدار کو سربلند کیا۔ وہاں اردو سرکاری زبان قرار پائی، شراب مکمل طور پر بند ہوئی، احترامِ رمضان کا قانون نافذ ہوا، اور سرکاری افسروں پہ پابندی لگی کہ وہ دفتر کے اوقات میں قومی لباس شلوار قمیص ہی استعمال کر سکتے ہیں ——— یہ وزیر اعلیٰ وزارت کے دوران بھی چٹائی پر بیٹھتا، موٹا جھوٹا پہنتا رہا، اور جب استعفیٰ دیا تو اس کے اہل و عیال اس ٹھاٹھ سے وزیر اعلیٰ ہاؤس سے رخصت ہوئے کہ ایک کار کی ڈگی میں گھر کا سامان سما گیا۔ منہ بگاڑ بگاڑ کر انگریزی بولنے والے مسٹروں کے مقابلے میں سرحد کے اس "ملا" (جسے سرحد کے عوام "نہ ملا" کہہ کر زندہ باد کا نعرہ لگاتے ہیں) نے کیسی مثال قائم کر دکھائی تھی، اور کیسی حکومت چلا دکھائی تھی ——— یہی شخص بلوچستان میں مینگل وزارت کی برطرفی پر وزارت سے مستعفی ہو گیا اور کرسی کو خدا ماننے والوں کے عہد میں، کرسی کا بت پاش پاش کر دیا، اسی شخص نے قومی اتحاد کی لازوال تحریک کی رہنمائی کی اور اسلامی نظام کا مطالبہ اسی کی زیر قیادت اس طرح بلند ہوا کہ گوشہ گوشہ گونج اٹھا، یہی ۵۹ سالہ کھلتے ہوئے رنگ کا بھاری بھرکم شخص آج بھی اتحاد کی آواز دے رہا ہے، اتحاد کا پرچم بلند کیے ہے۔ میں اسی شخص کی آنکھ سے حالات اور واقعات کی رفتار دیکھنے آیا تھا ——— گفتگو شروع ہوئی اور طویل ہوتی گئی۔ بارہ بجے کے بعد اٹھے۔ اس کے بعد ٹیلیفون پہ بھی میں نے رابطہ قائم رکھا۔ لاہور آئے تو لاہور میٹروپولیٹن کمیٹی کے چیئرمین جناب غلام دستگیر کے مکان پہ پھر ایک نشست ہوئی۔ اور یوں یہ انٹرویو مکمل ہوا۔

س: مفتی صاحب! پاکستان قومی اتحاد نے مارشل لا کے تحت حکومت بنانے کا فیصلہ کیوں کیا؟ آپ کے دوست "الزام" لگاتے ہیں کہ یہ کرسی سے محبت کا نتیجہ ہے، آپ نے عوام کے مفاد سے غداری کی ہے اور اب قومی اتحاد، قومی اتحاد نہیں درباری پارٹی بن گیا ہے؟ کیا اس الزام میں کوئی صداقت موجود ہے؟

ج: میں نے یہ بات ہمیشہ کہی ہے کہ جمہوریت کا دعویٰ رکھنے والی کوئی جماعت مارشل لا کے تحت کسی حکومت میں شامل نہیں ہو سکتی اور آج بھی یہی کہتا ہوں۔ یہ طے شدہ مسئلہ ہے اور ایک ایسا اصول جس کی صحت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ البتہ بعض اوقات ایسی ایمرجنسی ہو جاتی ہے کہ معاملات کو خالصتاً کتابی نظریات کے حوالے سے نہیں عملی حقائق کی روشنی میں دیکھنا پڑتا ہے۔ اسے ایک چھوٹی مثال سے سمجھیے۔ کسی کے گھر میں اجازت کے بغیر داخل ہونا لوازمِ اخلاق اور معاشرتی اقدار کے یکسر خلاف ہے، لیکن اگر کسی مکان میں آگ لگ جائے، تو آپ پانی کی بالٹی ہاتھ میں لے کر، باہر کھڑے صاحبِ خانہ سے اجازت مانگتے رہیں گے، یا آگے بڑھ کر آگ بجھانے کے لیے سرگرم ہوں گے؟ اگر آپ آگ میں گھرے ہوئے اہلِ خانہ کو اجازت کے لیے پکارتے رہیں، تو آپ کی آواز بھی ان تک نہ پہنچے گی اور وہ جل کر بھسم بھی ہو جائیں گے ——— کیا کوئی صحیح العقل ایسے عالم میں پانی لے کر بغیر اجازت مکان میں داخل ہونے والے پر طعن توڑ سکتا ہے، اُسے بد اخلاق قرار دے سکتا ہے، اُسے اصول شکنی کا مرتکب قرار دے سکتا ہے؟ اُس شخص کی تو تعریف ہوگی اُسے شاباش ملے گی اور اس کی کاوش قابلِ صد مبارک ٹھہرے

ں کہ اس نے آگ بجھائی اور آگ میں گھرے ہوؤں کی جان بچالی۔ پاکستان کو بھی آج ایسے ہی حالات کا سامنا ہے، مسائل کی آگ بھڑک رہی ہے، مارشل لا اور عوام کے درمیان کوئی رابطہ استوار نہیں ہو سکا، بیوروکریسی کے وہ کل پرزے جو بھٹو کے عہد میں قانون اور اخلاق کی دھجیاں بکھیرتے رہے، جوں کے توں ہیں اور حالات کو اور بھی آگ دکھا رہے ہیں ؟ ایسے عالم میں اہل سیاست پر لازم ہو گیا کہ وہ آگے بڑھ کر مارشل لا کا ہاتھ بٹائیں اور انتظامی ذمہ داریوں میں اس طرح شریک ہوں کہ عوام کے مسائل کم ہوں، حادثات کی رفتار تھمے، اسلامی اقدار کو فروغ ہو اور منتخب حکومت کے قیام کی راہ ہموار ہو جائے۔

پاکستان قومی اتحاد نے حکومت کی ذمہ داری سنبھال کر بڑی قربانی دی ہے، حالات کو سنوارنے کا چیلنج قبول کیا ہے، اسلامی نظام کے قیام کا راستہ کھولا ہے اور انتخابات کو درپیش خطرات کو دور کرنے کی کوشش کی ہے۔ اتحاد بھی ذمہ داری سے فرار کی راہ اختیار کر کے تند و تیز بیانات دینے اور اپوزیشن کے منصب پر خود کو فائز کرنے کا کام بآسانی کر سکتا تھا، لیکن ہم نے یہ راستہ اختیار نہیں کیا۔ ہمارا ماضی گواہ ہے کہ جب اپوزیشن میں بیٹھنا، بھٹو آمریت کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنا جان جوکھوں میں ڈالنا تھا، تب ہم نے اپوزیشن کا فرض ادا کیا۔ ہم کرسیوں کے بھوکے ہوتے، تو مسٹر بھٹو کی پیشکشوں سے فائدہ اٹھا کر یہ شوق پورا کر لیتے۔ آپ کو یاد ہو گا خود میں نے سرحد کی وزارت اعلیٰ سے اس وقت استعفیٰ دے دیا تھا جب بلوچستان میں مینگل حکومت کو غیر قانونی طور پر برطرف کر دیا گیا۔ اگر اقتدار پیارا ہوتا، تو میں کبھی استعفیٰ نہ دیتا، اور اگر میں استعفیٰ نہ دیتا، تو کوئی مجھے کوٹھے اقتدار سے باہر نہ نکال سکتا — لیکن میں نے اپنے بلوچ بھائیوں کے حقوق کے لیے آواز اٹھائی، ان پر ظلم اور زیادتی کو اپنے آپ پر ظلم اور زیادتی سمجھا اور وزارت اعلیٰ کو اپنے گھر سے نکال باہر کیا۔

ہم تو مشکلات اور مصائب کے راستے پر چلنے کے عادی ہیں، جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا، میں اور میرے رفقا نے اس وقت اپوزیشن کا پرچم بلند رکھا جب اس سے مشکل کام کوئی نہ تھا اور اب اس وقت ہم نے اتحاد کے نمائندوں کو اقتدار میں شریک کیا ہے جب حکومت کرنے سے مشکل کام کوئی اور نہیں ہے۔ آج اپوزیشن کرنے سے آسان کام اور کیا ہے کہ تقریریں اخبارات میں چھپ رہی ہیں، آمد و رفت کی آسانیاں ہیں، اندرون ملک تو کیا بیرون ملک بھی دورے کرنے کی آزادی ہے اور جھوٹ بولنے، پھیلانے اور شائع کرنے سے روکنے والا بھی کوئی نہیں۔ یہ طعنہ دینا کہ ہم درباری پارٹی ہیں، اس سے بڑا جھوٹ کوئی نہیں ہو سکتا، ہم نے تو اقتدار کو اسلام اور جمہوریت کے رنگ میں رنگنے کا عہد کیا ہے اور اسی کے لیے آگے بڑھے ہیں۔ اگر اس مقصد میں کامیابی نظر نہ آئی، تو ہمارے نمائندے وزارتوں پر لات مار کر واپس آ جائیں گے۔

یاد رکھیے بامقصد اور بااختیار حکومت میں شامل ہونا عوام سے غداری نہیں بلکہ اتحاد کو انتشار میں بدلنا عوام سے غداری ہے۔ لیکن ہم گالی کی سیاست کو فروغ دینے کے قائل نہیں۔ ہمارے دشمن جانتے ہیں اور "دوست" بھی کہ ہم سنجیدگی اور متانت سے اختلاف رائے کے اظہار کے عادی ہیں اور اختلاف کو برداشت بھی کرتے ہیں۔ ہم تنقید کا خیر مقدم کریں گے، ہم شکر گزار ہوں گے اگر کوئی ہماری غلطی ہم پر واضح کر دے، ہمیں ٹوکے — لیکن ہم کسی کے حریف دشنام نہیں ہیں۔ ہماری مجبوری ہے کہ ہم گالی نہیں دے سکتے۔ گالی دینا ہماری سیاست میں حرام ہے۔

س : جناب، کیا تاریخ سے ایسی کوئی مثال مل سکے گی کہ جب جمہوری قوتوں نے کسی غیر نمائندہ حکومت کے قیام پر اتفاق کیا ہو اور اس میں شرکت اختیار کی ہو ؟

ج : بالکل، دور جانے کی ضرورت نہیں۔ اس برصغیر پاک و ہند ہی میں ایسا ہو چکا ہے۔ آزادی سے پہلے جب انگریز نے دیکھ لیا کہ وہ اب حکمران نہیں رہ سکتا، تو انتقال اقتدار کی تفصیلات طے کرنے اور انہیں عملی جامہ پہنانے کے لیے "غیر نمائندہ حکومت" کی تشکیل ہوئی۔ اس میں کانگریس بھی شامل تھی اور مسلم لیگ بھی۔ قائد اعظم کے پیرو بھی اس حکومت کا حصہ بنے اور گاندھی کے نمائندے بھی۔ اس حکومت کا سربراہ انگریز وائسرائے تھا — آزادی کے لیے جان لڑانے والے اگر عملی حکمت کی وجہ سے انگریز وائسرائے کے زیر نگرانی کابینہ میں شامل ہو سکتے ہیں، تو آج جمہوریت کے سپاہی چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹر کی تشکیل کردہ وزارت میں کیوں شریک نہیں ہو سکتے ؟ جبکہ چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹر تو کسی سامراج کے نمائندے نہیں، بلکہ ہماری قومی فوج کے سربراہ ہیں۔ آخر پاکستانی فوج سے بامقصد تعاون کرنا اور اس لیے تعاون کرنا کہ انتخابی اور جمہوری عمل کا آغاز ہو، جمہوریت کی نفی کیسے ہو گیا ؟

س : جناب حکومت میں شرکت کے سوال پر قومی اتحاد میں اختلافات پیدا ہوئے اور آپ کی ایک اہم حلیف جماعت این ڈی پی نے تند و تیز ردِ عمل ظاہر کر کے اتحاد سے علیحدگی کی راہ اختیار کر لی۔ کیا یہ مناسب نہ ہوتا کہ آپ اتحاد کی یکجہتی کو مقدم رکھتے اور حکومت میں شریک ہو کر ایک اہم حلیف کو حریف بنانے کے بجائے حکومت سے تعاون کی کوئی متفقہ راہ ڈھونڈنے کو اولیت دیتے۔

ج : یہ سوال ایک بڑے مغالطے کی پیداوار ہے۔ آپ یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ این ڈی پی نے حکومت میں شرکت کے سوال پر اتحاد سے علیحدگی اختیار کی ہے، حالانکہ یہ واقعات کے خلاف ایک مفروضہ ہے۔ آپ کو یاد ہو گا کہ ۲۵ مئی کو قومی اتحاد کی جنرل کونسل کی منظوری سے میں نے بحیثیت صدر قومی اتحاد، جنرل ضیاء الحق کو ایک خط لکھا تھا جس میں مارشل لا حکام کی طرف سے حکومت میں شرکت کی دعوت قبول کرتے ہوئے اس بات پر زور دیا گیا تھا کہ مجوزہ حکومت بااختیار اور بامقصد ہونی چاہیئے، اس میں باکردار سیاسی عناصر شامل ہوں، گویا شرکت کے اصول پر تو اتفاق تھا، لیکن تفصیلات کے بارے میں گفتگو مطلوب تھی۔ اس خط میں این ڈی پی ہمارے ساتھ تھی۔ جنرل کونسل کے اجلاس میں این ڈی پی کے نمائندوں نے بھی شرکت کی تھی اور اتفاق رائے سے طے کیا گیا تھا کہ اتحاد بامقصد، بااختیار اور سیاسی عناصر پر مشتمل کابینہ میں شرکت پر رضامند ہے۔ اس خط کی بنیاد پر مذاکرات ہوئے۔ یہ مذاکرات ٹوٹ ٹوٹ کر جڑتے، اور جڑ جڑ کر ٹوٹتے رہے، لیکن کسی نے اس خط سے انحراف نہ کیا۔

۲۵ جون کی نشری تقریر میں جنرل ضیاء الحق نے مذاکرات کی ناکامی کا یکطرفہ اعلان کرتے ہوئے سیاسی حکومت بنانے کا ارادہ ترک کر دیا اور ۵ جولائی کو نئی کابینہ بنا ڈالی جس میں اتحاد کی ایک جماعت بھی شریک کر لی گئی۔ یہ بڑی افسوس ناک صورتِ حال تھی کہ اتحاد کی ایک جماعت حکومت میں شامل ہو گئی جبکہ باقی جماعتیں شمولیت کا یہ انداز قبول نہ کر سکیں۔ میں نے اللہ کا شکر ادا کیا کہ جنرل صاحب نے سیاسی حکومت بنانے کا ارادہ ترک کر دیا۔ اس طرح انہوں نے حالات کی ذمہ داری اپنے ہی کاندھوں پر اٹھالی تھی اور ہمارے لیے اس سے بڑھ کر خوشی کی بات کیا ہو سکتی تھی کہ ہم آزمائش میں مبتلا ہونے سے محفوظ رہ گئے — لیکن کابینہ کی تشکیل کے بعد جنرل صاحب نے پھر پیش کش کو تازہ کر دیا۔ میں کراچی کے ایک ہسپتال میں زیر علاج تھا کہ وہ ملنے آئے اور ایک بار پھر حکومت میں شمولیت کی دعوت بھی ساتھ لائے۔ میں نے اپنے ردِ عمل کا اظہار کیا، تفصیل سے گفتگو ہوئی، تلخ اور تند شکایتیں زیر بحث آئیں۔ بالآخر میں نے اتحاد کی مرکزی کونسل کا اجلاس بلانے کا فیصلہ کیا تاکہ تازہ ترین صورتِ حال پر غور کر کے لائحۂ عمل تیار کیا جائے۔ اس اجلاس نے مجھے جنرل ضیاء الحق سے مذاکرات کرنے کا اختیار دے دیا۔ میں جس نکتے پر زور دینا چاہتا ہوں، وہ یہ ہے کہ اس اجلاس میں این ڈی پی کے نمائندے بھی تھے اور مجھے گفتگو کا اختیار دینے میں وہ بھی فریق تھے، انہوں نے بھی مجھ پر اس سلسلے میں اعتماد کا اظہار کیا تھا۔

اب بتائیے، جب اتحاد کی مرکزی کونسل کے دیئے گئے اختیارات کے تحت میں نے مذاکرات کیے اور ۲۵ مئی کے خط کی بناء پر کیے، تو پھر این ڈی پی کے لیے کیا جواز رہا کہ وہ مذاکرات کی کامیابی کو بنیاد بنا کر اتحاد سے الگ ہو جائے۔

ہم کسی کے دل کی کیفیت اور اس کی نیت کا ایکسرے تو کر نہیں سکتے۔ این ڈی پی کا موقف یہ تھا کہ وزارت سازی کا مرحلہ آ گیا، تو ایسی صورت میں ہم اپنی جماعت کے ارکان وزارتوں کے لیے نامزد نہیں کریں گے، لیکن اتحاد میں رہتے ہوئے حکومت کی حمایت جاری رکھیں گے اور دوسری جماعتوں کے نمائندوں کو اتحاد کا نمائندہ سمجھ کر تعاون کریں گے۔ مذاکرات کامیابی کی طرف مڑتے ہی این ڈی پی نے جو موقف اختیار کیا، وہ توقعات اور واقعات کے یکسر خلاف تھا۔

این ڈی پی کو اپنا موقف اس طرح تبدیل کرنا تھا، تو ہماری اور ان کی پرانی رفاقت کا تقاضا تھا کہ وہ ہمیں اعتماد میں لیتے اور جو نئی صورتِ حال ان کے مطابق پیدا ہو گئی تھی، اس پر ہم سے تبادلۂ خیال کرتے، لیکن انہوں نے تو یہ کیا کہ اپنے کنونشن میں دھواں دھار تقریریں کر کے علیحدگی کا اعلان کر دیا اور ہمیں دشنام طرازی کا نشانہ بھی بنایا — اس پورے پس منظر کو سامنے رکھیے، تو آپ کا سوال بے معنی ہو جاتا ہے۔

س : آپ کے خیال میں این ڈی پی کے اس فیصلے کا محرک کیا تھا ؟

ج : یہ فیصلہ کیوں کیا گیا، اس بارے میں میں ابھی کچھ نہیں کہنا چاہتا، حالات خود بخود واضح ہوتے جائیں گے۔ میں صرف یہ کہتا ہوں کہ یہ فیصلہ پشتونوں اور بلوچوں کی روایات کے خلاف ہے۔ کوئی پشتون یا بلوچ اس طرح اپنا عہد نہیں توڑ سکتا۔ اسی لیے میں نے این ڈی پی سے اپیل کی تھی کہ وہ اپنے فیصلے پر نظر ثانی کرے، لیکن انہوں نے اس کا کوئی مثبت جواب نہیں دیا۔ مجھے امید ہے این ڈی پی کو سرحد اور بلوچستان میں تند و تیز رائے عامہ کا سامنا کرنا پڑے گا۔

س : آپ نے جناب ولی خاں کی وطن واپسی کے بعد ان سے رابطہ قائم نہیں کیا، کیا آپ کے نزدیک وہ بھی اس فیصلے میں شریک ہیں ؟

ج : ولی خاں کی وہ تقریریں ابھی تک فضا میں گونج رہی ہیں جن میں انہوں نے کہا تھا کہ پاکستان اور پاکستان قومی اتحاد لازم و ملزوم ہیں۔ اس سے پہلے جمعیت سے نیپ کا معاہدہ ہوا، تو ولی خاں ہی نے بار بار کہا کہ ہم پٹھان جب ساتھ نبھانے کا عہد کرتے ہیں،

تو پھر اسے توڑتے نہیں۔ ہم جب کسی کا ہاتھ پکڑتے ہیں، تو اسے چھوڑتے نہیں، حتیٰ کہ مر جائیں تو بھی ہمارا ہاتھ دوست کے ہاتھ میں ہوتا ہے، لیکن اب وہ زندہ ہیں، لیکن ان کا ہاتھ ہمارے ہاتھ سے الگ ہے۔

ولی خاں کی بیگم صاحبہ این ڈی پی کے کنونشن میں شریک ہونے لندن سے تشریف لائی تھیں۔ یہ تو ہو نہیں سکتا کہ وہ اپنے رفیقِ زندگی اور رفیقِ سیاست سے مشورہ کر کے نہ آئی ہوں، اس لیے ولی خاں کو این ڈی پی کے فیصلے سے الگ تھلگ نہیں سمجھا جا سکتا۔ انہوں نے وطن واپس آنے کے بعد اس فیصلے کو قبول کرنے کا اعلان بھی کر دیا ہے — اس طرح گویا قومی اتحاد سے بھی اُن کا رشتہ ٹوٹا اور جمعیت سے سات برس پُرانا معاہدہ بھی ختم ہُوا — ہم نے کوئی عہد نہیں توڑا، ہم نے کوئی وعدہ خلافی نہیں کی، ہم تو پشتونوں اور بلوچوں کی ایفائے عہد کی روایات کے پاسبان ہیں۔ اس لیے ہم کسی سے رابطہ قائم کیا کریں؟ رابطہ تو اُن کو کرنا چاہیئے تھا، جو اِس صورتِ حال کے ذمّہ دار ہیں؛ جنہوں نے پشتون اور بلوچ ہوتے ہوئے اپنا عہد کچے دھاگے کی طرح توڑ ڈالا ہے، تاہم یہ نوٹ کر لیجیے کہ ہمارے لیے کوئی معاملہ بھی اَنا کا نہیں ہے۔ اوّلین اہمیت قومی مفاد کی ہے۔ مَیں حالات کا بغور جائزہ لے رہا ہُوں، میرا ارادہ ہے کہ کم از کم ایک بار تو ولی خاں سے بات کروں، اور تفصیل کے ساتھ کروں اور اُن سے کہوں این ڈی پی کے فیصلے پر نظرِ ثانی کرائیں۔

شاید کہ اُتر جائے ترے دل میں مری بات !

س : اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ این ڈی پی سے تعلّق استوار ہونے پر آپ کو اب بھی کوئی اعتراض نہیں؟

ج : جی ہاں کوئی اعتراض نہیں، ہمارے دروازے کُھلے ہیں، اگر این ڈی پی اپنی غلطی کا احساس کر لے، اعتراف کر لے، تو تعلّق استوار ہو سکتا ہے۔ ہم سیاست میں محاذ آرائی کے قائل نہیں ہیں۔ آپ این ڈی پی کی بات کرتے ہیں، مَیں تو اُن سب جماعتوں کو جو اتحاد سے الگ ہوئی ہیں، دعوت دیتا ہوں کہ وہ اپنے فیصلے پر نظرِ ثانی کریں۔ ہمارے دل میں سب کے لیے جگہ ہے۔ انہوں نے اور ہم نے مشترکہ منشور کے تحت گزشتہ انتخاب میں حصّہ لیا تھا، اب اس منشور سے منحرف ہونا کسی کے لیے بھی انتہائی بد اخلاقی کی بات ہو گی — جب منشور مشترک ہے، تو پھر اختلاف کیسا؟ جب مقاصد ایک ہیں، تو پھر دُوری کیوں؟ — ہم نے کسی کو اتحاد سے نہیں نکالا، ہم کسی کو آنے سے نہیں روکیں گے۔ آئیے، مل کر اپنے وطن کے مسائل حل کریں اور مصائب کے بھنور سے کشتی نکال کر آگے بڑھیں۔

یہ وقت ذاتی اور گروہی اختلافات کو نمایاں کرنے اور انہیں اُچھالنے کا نہیں — ایک ہو جانے کا ہے، متّحد ہو جانے کا ہے۔ کیا مشرقی پاکستان کے سانحے سے ہماری آنکھیں نہیں کُھلیں؟ وہاں کس طرح خُون بہا، کس طرح عزّتیں داغدار ہُوئیں اور کس طرح غیر ملکی مداخلت نے ہمارا پیارا پاکستان توڑ دیا — مَیں وارننگ دیتا ہوں، اور اعلان بھی کرتا ہوں کہ پاکستان کے اس حصّے کو محفوظ رکھنا ہماری سب سے بڑی ذمّہ داری ہے۔ سازشیں ہو رہی ہیں، ارد گرد کے حالات تشویشناک ہیں، لیکن ہمارا عزم پختہ ہے، ہم پاکستان کو کوئی نقصان نہیں پہنچنے دیں گے۔ اگر کوئی جارحیت کا مرتکب ہوا، تو آپ دیکھیں گے پاکستان کی سالمیّت کی لڑائی دشمن کی سرزمین پر لڑی جائے گی — ہماری نظریں دشمن پر لگی ہوئی ہیں، ہم اس کی نقل و حرکت دیکھ رہے ہیں، لیکن ہمارے حوصلے بلند ہیں۔ مَیں بھی پٹھان ہوں، مجھ سے بڑھ کر پشتونوں کے حقوق کی بات اَور کون کر سکتا ہے؟ ایک مسلمان، ایک پاکستانی اور ایک پشتون ہونے کی حیثیّت سے مَیں یہ کہہ دینا چاہتا ہُوں کہ پاکستان کے پشتون اور بلوچ، پاکستان کی لڑائی میں سب سے پیش پیش ہیں۔ خدانخواستہ کوئی مشکل مرحلہ آیا، تو ان کا خون پاکستان کے لیے سب سے پہلے بہے گا، اس لیے ہمارے رُوٹھے ہوئے ساتھیو! آؤ کہ ہم اپنا سب کچھ اس پاک سرزمین کی حفاظت کے لیے لگا دیں اور یہاں ایک مثالی اسلامی معاشرے کی مضبوط بنیاد رکھ دیں۔

س : محترم، بات کسی اَور سمت بڑھ گئی، مَیں آپ سے یہ پُوچھنا چاہتا تھا کہ آخر وہ اچانک تبدیلی کیا ہوئی، کون سا واقعہ پیش آ گیا جس سے جنابِ جنرل ضیاء الحق سے مذاکرات ٹُوٹنے کے باوجود جڑے اور پھر کامیاب ہو گئے؟

ج : کوئی خُفیہ بات تو مَیں نہیں جانتا، اور شاید کوئی خُفیہ بات موجود بھی نہ ہو — تاہم یہ سوال آپ جنرل ضیاء الحق سے کریں، تو بہتر ہو گا۔ مجھے تو اتنا معلوم ہے کہ ہمارے مطالبات تسلیم ہوئے، کابینہ کو بااختیار اور بامقصد بنانے پر اتفاق ہوا، الیکشن کے لیے ۷۹ء کا سال مقرر ہوا، سیاسی عناصر کی اکثریّت کو تسلیم کر لیا گیا، تو ہم حکومت میں شامل ہو گئے۔

س : کابینہ میں کوئی جرنیل شامل نہیں کیا گیا، اس کا سبب قومی اتّحاد کا کوئی رویّہ تو نہیں؟

ج : ۲۲ جون کو قومی اتّحاد کے رہنماؤں نے جنرل ضیاء الحق کے سامنے یہ تجویز رکھی تھی کہ کابینہ میں کوئی جرنیل شامل نہ کیا جائے اور یہ کہ صوبوں سے مارشل لا اٹھا لیا جائے۔ یہ کوئی پیشگی شرائط نہیں تھیں، نہ وزارت سازی میں اتّحاد کی شرکت ان سے مشروط تھی، یہ صرف تجاویز تھیں اور ہم سمجھتے تھے کہ ان پر عمل کرنا ملک کے بہترین مفاد میں ہے۔ صوبوں سے مارشل لا اٹھا لیا جاتا، تو جمہوری عمل کا آغاز زیادہ واضح اور ٹھوس ہو جاتا، لیکن مَیں اس پر زیادہ گفتگو نہیں کروں گا کہ اس بارے میں دو رائیں ہو سکتی ہیں — جہاں تک کسی جرنیل کو وزیر نہ بنانے کا سوال ہے، تو یہ سراسر قومی سوچ کی وجہ سے تھا۔ ہم نہیں چاہتے تھے کہ فوج سیاست میں ملوّث رہے اور تنقید کا نشانہ بنے۔ ہم اس باوقار اور قابلِ احترام قومی ادارے کی حیثیّت، قومی ادارے کے طور پر برقرار رکھنے کے لیے ہر ممکن احتیاط پر زور دے رہے تھے۔ ہمارا خیال تھا کابینہ سیاسی اور شہری عناصر پر مشتمل ہو گی، تو حریفوں کا سامنا بھی وہی کریں گے اور حالات کی ذمّہ داری بھی انہی پر عائد ہو گی۔ سیاستدان ایک انتہائی مشکل صورتِ حال کا بوجھ اُٹھانے کے لیے اس طرح تیّار تھے کہ جو بھی نتیجہ نکلے، اس کی زد انہی پر پڑے، فوج کے قومی ادارے کو ہدف نہ بنایا جا سکے۔ جنرل ضیاء الحق نے ان تجاویز پر غور کرنے کا وعدہ کیا، لیکن پھر یکطرفہ طور پر کابینہ بنا لی۔ بعد میں مذاکرات دوبارہ شروع ہوئے تو ہم نے اس تجویز پر اصرار نہ کیا اور چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹر کے علاوہ تین جرنیلوں کی کابینہ میں شمولیّت کو قبول کر لیا، لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے ہماری تجویز اور اس کی پُشت پر کارفرما دلیل کا وزن ہمارے اِن جرنیلوں نے خود ہی محسوس کر لیا اور رضاکارانہ طور پر وزارتوں سے علٰحدگی اختیار کر لی۔ اس فیصلے پر مَیں ان حضرات کو مبارک باد پیش کرتا ہوں۔ یقیناً ان کا فیصلہ ملک کے عظیم تر مفاد میں ہے۔

س : خود نامزد کردہ اپوزیشن لیڈر جنابِ ائیر مارشل اصغر خاں نے بھی اس بات پر اظہارِ مسرّت کیا ہے کہ سیاستدانوں کی حکومت بننے سے فوج کا ادارہ زیرِ بحث نہیں آئے گا — کیا آپ اس کی داد نہیں دیں گے؟

ج : جنابِ ائیر مارشل کا یہ اظہارِ خیال کیا اس بات کا ثبوت نہیں کہ قومی اتّحاد نے حکومت میں شرکت کر کے بڑی قربانی دی ہے اور یہ کُرسیوں سے محبت کا نہیں، اپنے وطن سے محبت کا نتیجہ ہے۔ اگر اتحاد بھی بعض دوسرے سیاسی لیڈروں کی طرح حکومت میں شرکت سے انکار کر کے اپوزیشن میں جا بیٹھتا، تو کیا یہ فوج کی اپوزیشن نہ ہوتی — اور اس طرح اس قومی ادارے کو نقصان نہ پہنچتا؟ ہم نے فوج کے بجائے خود منظر پر آ کر سیاست کو ایک مثبت سمت دی ہے، اپنی سیاست کو داؤں پر لگا دیا ہے — ہم اقتدار کے بُھوکے ہوتے، تو بھٹو سے معاملہ کر لیتے، اس کی پیش کشیں قبول کر لیتے — لیکن ہم نے وزارتوں کو کبھی اہمیت نہیں دی۔ سرحد کی وزارتِ اعلیٰ سے میرا استعفیٰ ان لوگوں کو یاد کیوں نہیں رہتا؟

س : مفتی صاحب! کہتے ہیں، قومی اتحاد نے حکومت میں شامل ہو کر مستقبل کے واقعات کو بھی متاثر کیا ہے اور حال کو بھی —؟

ج : اتّحاد نے یقیناً حال اور مستقبل کے واقعات کی رفتار کو متاثّر کیا ہے۔ غور تو کیجیے :

1. فوج جیسا قومی ادارہ سیاست میں فریق بننے سے محفوظ ہو گیا۔
2. انتخاب کا انعقاد یقینی ہوا، کہ اب کوئی عنصر انتخاب کی منزل اوجھل کرنے کی سازش نہ کر سکے گا۔
3. محدود سیاسی سرگرمیوں کی اجازت ملی اور غیر محدود سرگرمیوں کی بحالی کا واضح امکان پیدا ہوا۔
4. عوام سے حکومت کا رابطہ بحال ہوا اور یُوں بد اعتمادی کی فضا یکسر ختم ہونے کا سامان فراہم ہوا۔
5. نوکر شاہی کے منفی رویّوں کی روک تھام کا راستہ نکلا۔
6. سیاستدانوں کا احتساب چیونٹی کی رفتار سے نہیں، بلکہ تیز سے تیز تر ہونے کی روشن جھلک نظر آئی۔
7. سب سے بڑھ کر یہ کہ اسلامی اقدار کے فروغ کے امکانات روشن تر ہوئے جو اسلام دُشمن عناصر، حیلوں بہانوں سے کوئی عملی اقدام نہیں ہونے دیتے تھے، ان کی حوصلہ شکنی ہُوئی، اور اسلامی نظریاتی کونسل کی سفارشات کو مزید غور و فکر کے بعد نافذ کرنے کا سامان ہُوا۔

س : لیکن جناب، اگر نئی کابینہ حالات کو سنوار نہ سکی تو پھر؟

ج : اس کے خطرات بھی سامنے ہیں، صورتِ حال بد تر بھی ہو سکتی ہے اور دھماکہ خیز بھی، لیکن خطروں کی سنگینی حوصلوں کو شکست تو نہیں دے سکتی، اس سے تو حوصلوں کی پختگی کا سامان ہوتا ہے۔

س : نئی کابینہ سے آپ کی توقعات کیا ہیں؟

ج : میری توقعات تو یہی ہیں کہ نئی کابینہ عوام کے مسائل حل کرنے کے لیے فوری اقدامات کرے۔

- گرانی کے معاملے کو پہلی ترجیح دی جائے اور اشیا کی قیمتیں کم کرنے کے لیے ہر ممکن ذریعہ استعمال کیا جائے۔
- اسلامی نظام کی طرف اس طرح پیش قدمی ہو کہ اُس کی برکتیں پہلے برستی نظر آئیں۔
- بیوروکریسی کا شدید احتساب کیا جائے۔ جن لوگوں نے بھٹو کے اشاروں پر ذاتی ملازموں کا کردار ادا کیا، دستور اور قانون کی دھجیاں اُڑائیں، انہیں کسی صورت معاف نہ کیا جائے۔ بیوروکریسی کے خلاف جلد کارروائی نہ کی گئی، تو یہ موجودہ کابینہ کے خلاف کارروائی کر گزرے گی۔ دو قرطاسِ ابیض چھاپے جا چکے ہیں، لیکن لاقانونیت کے ذمّہ دار افسروں کے خلاف کچھ نہیں کیا گیا۔ یہ تماشا اب برداشت نہیں کیا جا سکتا۔
- سادگی اختیار کی جائے، وزیر اپنا نمونہ پیش کریں، اپنے گھروں کی تزئین و آرائش پر ہزاروں روپے خرچ نہ کریں۔ ڈرائنگ روم میں قیمتی صوفوں کے بجائے چٹائی کیوں نہیں بچھائی جا سکتی۔ اور بیڈ روم میں نفیس پلنگوں کے بجائے عام چارپائی کیوں نہیں کام دے سکتی؟

- میں تو یہاں تک کہوں گا کہ شہری علاقوں میں بڑے مکانوں کی تعمیر پر پابندی لگائی جائے۔ حکومت نے ایک ہزار گز سے بڑے مکانات بنانے کی اجازت نہ دینے کا اعلان کیا ہے، لیکن یہ حد بھی بے حد ہے۔ تین سو گز سے زیادہ مکان کسی صورت نہ بننے دیا جائے۔
- تعلیم اور ٹرانسپورٹ کا مسئلہ حل کرنے کے لیے ہنگامی بنیادوں پر کام کا آغاز ہو۔ اس مقصد کے لیے نجی شعبے کی حوصلہ افزائی کی جائے، اس کے لیے ٹیکس وغیرہ کی چھوٹ بھی دی جا سکتی ہے۔
- ہمارے اکثر ملکی قوانین ایسے ہیں جو رشوت کا دروازہ کھولتے اور لوگوں کے مصائب میں اضافہ کرتے ہیں، ان کا جائزہ لے کر ہر ہر قانون میں چور دروازے بند کر دیے جائیں۔
- رشوت، بدعنوانی اور ملاوٹ پر کڑی سزائیں دی جائیں اور ان کا قلع قمع کر دیا جائے۔
- ہر سطح پر اُردو نافذ کی جائے، جیسے کہ میری وزارت کے دوران سرحد میں اُردو کو سرکاری زبان بنا دیا گیا۔
- شلوار اور قمیص کی حوصلہ افزائی ہو، سرکاری ملازم دفتر میں قومی لباس پہن کر آئیں، اس طرح غیر ملکی لباس جو نفسیاتی رُعب و دبدبہ عطا کرتا ہے، اُس سے نجات مل سکے گی۔
- ایسے ضوابط بنائے جائیں کہ جھوٹ چھاپا یا لکھا نہ جا سکے۔ جھوٹ ایک زہر ہے جو معاشرے کی اچھائیوں کو ڈس لیتا ہے۔ بے حیائی اور فحاشی کی روک تھام بھی ہو۔ ریڈیو، ٹیلی وژن اور فلموں کی فوری اصلاح ضروری ہے۔ عورتوں کو اشتہار کی جنس بنا کر ان کا جو استحصال کیا جا رہا ہے، اُسے بند کیا جائے، صنفِ نازک کی اس سے بڑی توہین اور کیا ہو سکتی ہے، یہ توہین کوئی باحمیت معاشرہ برداشت نہیں کر سکتا۔

س : میں نے سُنا ہے قومی اتحاد اپنے وزراء سے علیحدہ حلف کا پروگرام بھی بنا رہا ہے، کیا یہ دُرست ہے؟

ج : جی ہاں، یہ دُرست ہے، ہم اپنے وزراء سے علیحدہ حلف بھی لیں گے، جمعیت العلمائے اسلام کے وزیر تو حلف برداری کی یہ رسم ادا بھی کر چکے ہیں۔ میں آپ کو حلف نامے کا متن سناتا ہوں۔ (اس کے بعد مفتی صاحب نے اپنا بریف کیس منگوا کر اس میں سے حلف نامہ نکالا اور پڑھنا شروع کیا)۔

"میں، اللہ تعالیٰ کو حاضر ناظر جان کر حلفیہ بیان دیتا ہوں کہ وزارت میں شامل ہو کر مندرجہ ذیل مقاصد کے لیے کام کروں گا:

۱ : اسلامی نظام کے نفاذ کے لیے اپنی آخری کوشش تک بروئے کار لاؤں گا۔

۲ : خلافِ قانون و اخلاق کوئی ایسا کام نہیں کروں گا جس سے میری ذات، جماعت یا معاشرہ بدنام ہو۔

۳ : ذاتی مفادات کے حصول سے ہمیشہ الگ تھلگ رہوں گا۔ متعارف اور معمول کے مطابق جائز کاموں کے علاوہ سرکاری ذرائع سے اور کسی قسم کا استفادہ نہیں کروں گا۔

۴ : صرف خدمتِ ملک و قوم کے جذبے سے سرشار کام کروں گا۔ جائز کام سب کا سر انجام دینے کی کوشش کروں گا، مگر ناجائز کام کسی کا نہیں کروں گا۔

۵ : قومی اتحاد یا میری جماعت جس وقت استعفیٰ پیش کرنے کا حکم دے گی وزارت سے استعفیٰ دے دوں گا۔"

س : اعلان ہے آئندہ انتخاب جداگانہ بنیادوں پر ہوگا، کیا آپ اس سے متفق ہیں؟

ج : میں جداگانہ یا مخلوط انتخاب کی بحث میں نہیں پڑنا چاہتا میں تو اتنا جانتا ہوں کہ اقلیتوں کے نمائندے منتخب کرنے کا موجودہ طریق کار انتہائی ناقص ہے۔ اسمبلیوں کے ارکان اقلیتوں کے نمائندے چُنتے ہیں اور یہ حضرات نام کے تو اقلیتی ہوتے ہیں، لیکن اقلیتوں کے نمائندے نہیں ہوتے، بلکہ اسمبلی کی اکثریت کے خوشامدی اور درباری ہوتے ہیں۔ ہمارا مطالبہ تھا اقلیتوں کو اپنے نمائندے آپ چُننے کا اختیار دیا جائے، وہ مطالبہ تسلیم کیا گیا ہے تو یہ انصاف کے اُصولوں کے عین مطابق ہے۔ قومی اتحاد نے جس منشور کی بنیاد پر مارچ ۱۹۷۷ء کے انتخاب میں حصّہ لیا تھا، اُس میں واضح طور پر درج تھا کہ اقلیتیں اپنے نمائندے آپ چُنیں گی، کوئی ایسی جماعت جو اتحاد میں شامل تھی، اس عہد سے رُوگردانی کرتی ہے، تو یہ بدترین عہد شکنی ہے۔

س : جناب، آپ نے بلوچستان میں حکومت کی برطرفی کے بعد سرحد کی وزارتِ اعلیٰ سے استعفیٰ دیا، بلوچستان کے بعض مقید رہنماؤں کی رہائی کے لیے مُہم چلائی، حیدرآباد ٹربیونل آپ کے مطالبے پر ٹوٹا، اسیر رہا ہُوئے ــــ کیا رہائی کے بعد کالعدم نیپ کے بلوچ لیڈروں نے آپ سے اپنے سیاسی مستقبل یا ملک کے سیاسی حالات پر بھی تبادلۂ خیال کیا؟

ج : ملاقات تو ہُوئی ہے، لیکن اس طرح کی بات نہیں ہُوئی جو آپ کہہ رہے ہیں۔

س : اگر کوئی اُسے ان لیڈر حضرات کی ناشکر گزاری قرار دے تو نامناسب تو نہیں ہوگا؟

ج : نہیں ایسی کوئی بات نہیں، ہم نے اپنا فرض ادا کیا، کسی پر احسان نہیں کیا۔ ہم اصولی سیاست کے قائل ہیں اور ہم نے جو کچھ بھی کیا، اپنے اصولوں کے حوالے سے کیا، حقِ رفاقت ادا کرنے کے لیے کیا۔ دوسرے لوگ جو کچھ کرتے ہیں، اپنی سوچ اور اپنے اصولوں کے حوالے سے کرتے ہیں، اس لیے ہمیں کسی سے گلہ نہیں، ہمیں تو خوشی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنے دوستوں کے لیے جدوجہد کرنے کی توفیق عطا فرمائی اور اس کی بدولت ان کو مصائب سے نجات ملی۔

س : جناب، یہ جو بلوچستان کے سیاسی مسئلے کو آج حل کرنے کی بات کی جاتی ہے، وہ کیا ہے؟ کیا اب بھی بلوچستان کا ایسا مسئلہ موجود ہے؟

ج : بلوچستان کا سیاسی مسئلہ نام کی کوئی شے آج اپنا وجود نہیں رکھتی، ایسا کہنا حقائق کے مطابق نہیں ہوگا۔ بلوچستان کو جن مصائب میں بھٹو نے دھکیلا تھا، وہ مصائب ختم ہو چکے۔ اب تو لے دے کر یہی ایک مسئلہ ہے کہ بھٹو کی کارروائیوں کے متاثرین کی آبادکاری کیسے ہو اور یہ کوئی ایسا معاملہ نہیں جس پر محاذ آرائی کے پہلو نکلیں۔ حکومت کو بیوروکریسی کی سازشوں سے ہوشیار رہتے ہُوئے اس مسئلے کو فراخدلی سے حل کر دینا چاہیئے۔

س : آجکل صوبائی خود مختاری کا سوال پھر زیرِ بحث لانے کی کوشش کی جا رہی ہے، کیا آپ کے خیال میں اس مسئلے پر از سرِ نو گفتگو ہونی چاہیئے؟

ج : صوبائی خود مختاری کا مسئلہ طے شدہ ہے۔ ۷۳ء کے دستور پر ساری جماعتوں نے دستخط کیے تھے۔ اس دستور میں کئی خامیاں ہیں جن کو دُور کرنے کی ضرورت تھی، لیکن صوبائی خود مختاری کے معاملے پر کسی نے اختلاف کا اظہار نہیں کیا۔ تمام جماعتوں کے نزدیک صوبائی خود مختاری کی حدود متفقہ تھیں۔ بھٹو کے عہد میں جو خرابی پیدا ہوئی، وہ یہ تھی کہ دستور پر عمل ہی نہیں کیا گیا۔ صوبوں کو دستور نے جو حقوق دیے تھے، وہ بھی بھٹو نے سلب کر لیے، اس لیے اصل مسئلہ یہ نہیں کہ صوبائی خود مختاری کی حدود بڑھا دی جائیں، بلکہ یہ ہے کہ صوبوں کو اپنے اختیارات استعمال کرنے کا موقع ملے۔

س : صوبوں میں وزارتوں کی تشکیل کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟ اس سے کسی صوبے میں تلخی پیدا ہونے کا امکان تو نہیں؟

ج : صوبوں میں حکومتیں فوراً قائم ہو جانی چاہئیں۔ اگر دیر ہوئی تو نتائج ناخوشگوار ہوں گے اور مرکزی حکومت کی کارکردگی بھی متاثر ہوگی۔ عوام کا براہِ راست اور فوری رابطہ صوبائی حکومت ہی سے ہوتا ہے اور صوبائی حکومت ہی مسائل اور مصائب کے فوری خاتمے میں معاون ہو سکتی ہے۔ بیوروکریسی کی روک تھام بھی اسی سے ممکن ہے، اس لیے جلد از جلد صوبوں میں حکومتیں قائم کر دی جائیں۔ جہاں تک کسی صوبے میں تلخی پیدا ہونے کا سوال ہے، میرے نزدیک اس میں کوئی حقیقت نہیں۔ قومی اتحاد ایک مُلک گیر تنظیم ہے اور ہم ہر صوبے میں اور ہر سطح پر ایسے نمائندے منتخب کر سکتے ہیں جو مخلص اور دیانتدار ہوں اور عوام کے اعتماد سے بھی بہرہ ور ہوں۔

س : جناب، یہ جو پشتونوں اور بلوچوں کے حقوق کی بات کی جاتی ہے تو اس کا پس منظر کیا ہے۔ آخر پشتونوں اور بلوچوں کے حقیقی مسائل کیا ہیں؟

ج : پشتونوں اور بلوچوں کے جو بھی مسائل ہیں، وہ پوری قوم کے مسائل ہیں اور انہیں قومی نقطۂ نظر ہی سے حل کیا جا سکتا ہے۔ اصل مسئلہ تو پسماندگی اور غربت ہے۔ اگرچہ پاکستان کے دوسرے صوبوں میں بھی غربت بہت ہے، لیکن اگر موازنہ کریں تو پسماندگی سرحد اور بلوچستان میں کہیں زیادہ ہے۔ صنعتی ترقی بھی وہاں کچھ نہیں ہوئی، اس لیے ضرورت ہے کہ ان دو صوبوں کو آئندہ ترقیاتی پروگرام میں ترجیح دی جائے۔ سرحد کے معاملے میں دیکھیے کہ تربیلا بند کی تعمیر میں ہمارے اسّی گاؤں غرق ہوئے، لیکن ہمیں تربیلا سے ایک بوند پانی بھی نہیں دیا گیا۔ دریائے سندھ پانچ سو میل تک فرنٹیر سے گزرتا ہے اور یہ مسلمہ اصول ہے کہ دریا جہاں سے پہلے گزرے، وہاں کے رہنے والوں کا اُس پر پہلا حق ہے، لیکن ہمارے حصّے میں اِس دریا سے کیا آتا ہے؟ کوئی جواب تو دے؟ چشمہ رائٹ بنک کینال کی طرف آئیے، میں نے وزارت کے دوران اس منصوبے پر بڑی توجہ دی تھی، لیکن یہ نہر کہاں ہے؟ اِس کا جواب اربابِ اختیار کے ذمّے ہے۔ ڈیرہ اسمٰعیل خاں کا ضلع بہت وسیع و عریض ہے۔ یہاں ۱۷ لاکھ ایکڑ زمین غیر آباد پڑی ہے، اگر صرف ڈیرہ ہی سیراب ہو جائے، تو صوبہ سرحد خوراک میں خود کفیل ہو سکتا ہے، لیکن پانی ہی نہیں ہے۔ یہ اور اس طرح کے کئی حقیقی مسائل موجود ہیں، انہیں قومی سطح پر اوّلیت دی جائے، تو پھر چھوٹے صوبوں کی شکایات دُور ہو سکتی ہیں۔

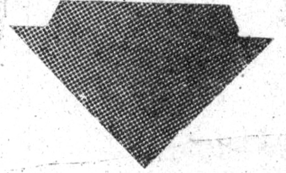
س : میں آپ کا شکر گزار ہُوں کہ آپ نے بیماری کے عالم میں بھی شفقت فرمائی اور یہ طویل انٹرویو ممکن ہو سکا۔ اب آخری سوال عرض کر رہا ہُوں، اور وہ ہے ــــ قومی اتحاد کے بارے میں ــــ جناب، اس کا مستقبل؟

ج : قومی اتحاد، پارٹیوں یا گروہوں کا نہیں، قوم کا اتحاد ہے، کسی پارٹی یا گروہ نے اسے چھوڑ دیا ہے، تو اس نے خسارے کا سودا کیا ہے، میں مانتا ہُوں بعض لوگوں میں مایوسی پیدا ہُوئی۔ بہت سے ذہن اور دل بجھے، لیکن اس میں ہمارا کوئی قصور نہیں، ہم نے تو اتحاد کا جذبہ برقرار رکھنے کی کوشش کی اور آج بھی اس سے وابستہ ہیں، اور انشاءاللہ وابستہ رہیں گے۔ قوم آج بھی ہمارے ساتھ ہے، قوم کی توقعات ہم سے وابستہ ہیں، اتحاد آج بھی سب سے مؤثر سیاسی قوت ہے اور اس کا مظاہرہ انتخاب کے دوران ہو جائے گا، یومِ انتخاب آنے تو دیں!

(بشکریہ : ماہنامہ قومی ڈائجسٹ)

عبدالصمد صارم الازہری

غالب کی بیوی کا کلام



دیوانِ غالب کو ترتیب دینے والوں نے یہ بڑی بھاری ٹھوکر کھائی ہے کہ وہ چچا غالب اور اُن کی بیگم کے کلام میں امتیاز نہ کر سکے اور دونوں کے کلام کو گڈمڈ کر کے رکھ دیا۔ خدا جھوٹ نہ بلائے تو ان کے اردو دیوان میں ایک تہائی کلام ان کی زوجہ کا شریک کر دیا گیا ہے۔ یہ بات میں بغیر شواہد و دلائل کے نہیں کہہ رہا ہوں کیونکہ میرے پاس اس سلسلے میں واضح دلائل ہیں جن سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

یہ تو سب کو معلوم ہے کہ مرزا بہت بدنام تھے، چنانچہ خود کہتے ہیں:

"شاعر تو وہ اچھا ہے پہ بدنام بہت ہے"

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ کوئی شخص انہیں ان کی سیہ کاریوں پر لعنت ملامت کرنے لگا اور بات اچھی خاصی لڑائی تک پہنچ گئی تو ان کی بیگم سے نہ رہا گیا لہذا وہ حمایت کرنے گھر سے باہر نکل کھڑی ہوئیں اور یہ برجستہ شعر انہوں نے حاضرین سے کہا:۔

دیکھیو غالب سے گر الجھا کوئی
ہے ولی پوشیدہ اور کافر کھلا

مجمع میں سے کوئی پوچھ بیٹھا "بڑی بی! آپ کون ہیں جو اس کی اس طرح طرف داری کر رہی ہیں، آخر وہ آپ کا کیا لگتا ہے؟" تو انہوں نے فی البدیہہ فرمایا:۔

پوچھتے ہیں وہ کہ غالب کون ہے
کوئی بتلادو کہ ہم بتلائیں کیا

پھر فرمایا

ہم پیشہ و ہم مشرب و ہم راز ہے میرا
غالب کو برا کیوں کہو اچھا مرے آگے

غالب لوگوں کے لعن طعن پر رو دیئے تو انہوں نے یہ شعر کہا:۔

یونہی گر روتا رہا غالب تو اے اہل جہاں
دیکھنا ان بستیوں کو تم کہ ویراں ہو گئیں

پھر غالب سے مخاطب ہو کر یہ شعر پڑھا:۔

غالب بُرا نہ مان جو واعظ برا کہے
ایسا بھی ہے کوئی کہ سب اچھا کہیں جسے

اس کے بعد بہلا پھسلا کر غالب کو اندر لے گئیں اور اندر لے جا کر ان کی دلداری کے لئے یہ شعر کہا:۔

چشم بد دور خسروانہ شکوہ
لوحش اللہ عارفانہ کلام

مزید تسلّی کے لئے فرمایا:۔

تیرا اندازِ سخن شانۂ زلفِ الہام
تیری رفتارِ قلم جنبشِ بالِ جبریل

پھر ہنس کر کہنے لگیں:۔

یہ مسائلِ تصوّف یہ ترا بیان غالب
تجھے ہم ولی سمجھتے جو نہ بادہ خوار ہوتا

غالب غصّے میں بھرے ہوئے تو تھے ہی کچھ نہ بولے تو انہوں نے یہ شعر کہا:۔

ظلم ہے گر نہ دو سخن کی داد
قہر ہے گر کرو نہ مجھ کو پیار
تم سلامت رہو ہزار برس
ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

نیز فرمایا:۔

ہے دعا بھی یہی کہ دنیا میں
تم رہو زندہ جاوداں آمین

مزید فرمایا:۔

شاد و دل شاد و شادماں رکھیو
سب کو غالب پہ مہرباں رکھیو

جیسے عورتوں کی عادت ہوتی ہے بعد ازاں مخالف کو کوسنے لگیں:۔

دعا یہ ہے کہ مخالف کے دل میں از رہِ بغض
پڑی ہے یہ جو بہت سخت نابکار گرہ
دِل اس کا پھوڑے کے نکلے بشکل پھوڑے کے
خدا کرے کہ کرے اس طرح ابھار گرہ

چچا غالب کی طبیعت تعلّی پسند تو تھی ہی ایک دفعہ دون کی ہانکنے لگے تو بیگم صاحبہ نے کہا:۔

ریختی کے تمہیں استاد نہیں ہو غالب
سنتے ہیں اگلے زمانے میں کوئی میر بھی تھا

غالب نے میر صاحب کے تفوق کو تسلیم نہ کیا تو انہوں نے کہا:۔

غالب اپنا یہ عقیدہ ہے بقول ناسخ
آپ بے بہرہ ہے جو معتقدِ میر نہیں

پھر طنز کرتے ہوئے کہا:۔

لکھ دیا شاہدوں کو عاشق کش
لکھ دیا عاشقوں کو دشمن کام

غالب پھر بھی نہ مانے تو انہوں نے جل کر یہ شعر کہا:۔

جنسِ بازارِ معاصی اسد اللہ اسد
کہ سوا تیرے کوئی اسکا خریدار نہیں

یہ شعر سنتے ہی چچا غالب آپے سے باہر ہو گئے تو انہوں نے مرزا صاحب کا غصّہ ٹھنڈا کرنے کے لئے یہ دو شعر پڑھے:۔

گرچہ تو وہ ہے کہ ہنگامہ اگر گرم کرے
رونقِ بزم مہ و مہر تری ذات ہے
اور میں وہ ہوں کہ گر جی میں کبھی غور کروں
غیر کیا خود مجھے نفرت مری اوقات سے ہے

مرزا راتوں کو گھر سے غائب رہتے تھے۔ ایک دفعہ کئی دن کے بعد تشریف لائے تو انہوں نے کہا

اس کو بھولا نہ چاہیئے کہنا
صبح جو جائے اور آوے شام

پھر غم فرقت کی شکایت کرتے ہوئے فرمایا:۔

کہوں کس سے میں کہ کیا ہے شبِ غم بُری بلا ہے
مجھے کیا برا تھا مرنا اگر ایک بار ہوتا

مرزا صاحب نے بگڑ کر پوچھا تم کیا چاہتی ہو؟ لہذا انہوں نے یہ دو شعر جواباً کہے:۔

اب میں ہوں اور ماتم یک شہر آرزو
توڑا جو تو نے آئینہ تمثال دار تھا
امرِ جدید کا تو نہیں ہے کوئی سوال
بارے قدیم قاعدے کا چاہیئے قیام

مرزا صاحب پھر کڑک کر بولے "! میری سمجھ میں نہیں آتا آخر تمہیں کیا چاہیئے؟" تو وہ بولیں:۔

بے نیازی حد سے گزری بندہ پرور کب تلک
ہم کہیں گے حالِ دل اور آپ فرمائیں گے کیا

پھر فرمایا:۔

آج کیوں پروا نہیں اپنے اسیروں کی تجھے
کل تلک تیرا ہی دل مہر و وفا کا باب تھا
یاد کر وہ دن کہ ہر یک حلقہ تیرے دام کا
انتظارِ صید میں اک دیدۂ بے خواب تھا

اور یہ بھی:۔

دکھ جی کے پسند ہو گیا ہے غالب
دل رک کر بند ہو گیا ہے غالب
واللہ کہ شب کو نیند آتی ہی نہیں
سونا سوگند ہو گیا ہے غالب

مرزا صاحب لال پیلی آنکھیں دکھانے لگے تو مرحومہ نے کہا:۔

سُن اے غارت گرِ جنسِ وفا سُن
شکستِ قیمتِ دل کی صدا کیا

پھر فرمایا:۔

دل مرا سوزِ نہاں سے بے محابا جل گیا
آتشِ خاموش کی مانند گویا جل گیا

رات کی تنہائی کا بیان اس طرح کیا:۔

شب کہ برقِ سوزِ دل سے زہرۂ ابر آب تھا
شعلۂ جوالہ ہر یک حلقۂ گرداب تھا

مرزا صاحب کہاں ماننے والے تھے لگا الٹے انہیں کو بُرا بھلا کہنے تو وہ یوں نغمہ سرا ہوئیں

وائے گر میرا ترا انصاف محشر میں نہ ہو
اب تلک تو یہ توقع تھی کہ واں ہو جائیگا

لعن طعن کرتے ہوئے کہنے لگیں میں مر بھی گئی تو تمہیں پتہ نہ چلے گا، نہ پروا ہو گی کہ کون بلا تھی۔ آخر مرزا صاحب انسان تو تھے ہی کچھ نرم پڑے تو کہنے لگے "واری بخدا کی قسم تیرے جنازے کو ضرور کاندھا دوں گا۔ بھلا ایسا ہو سکتا ہے کہ شریکِ جنازہ بھی نہ ہوں۔ خواہ میں کہیں بھی ہوں ضرور بالضرور یقیناً آؤنگا" تو انہوں نے یہ شعر کہا:۔

قسم جنازے پہ آنے کی میرے کھاتے ہیں
ہمیشہ کھاتے تھے جو میری جان کی قسم آگے

پھر کیا تھا مرزا جی رسیشہ خطمی ہو گئے اور اپنی آوارگی پر آنسو بہانے لگے اور شرمسار ہو کر ایک گوشے میں جا بیٹھے تو انہوں نے دلداری کے لئے یہ شعر کہا:۔

بس اب بگڑے پہ کیا شرمندگی جانے دو مل جاؤ
قسم لو ہم سے گر یہ بھی کہیں کیوں ہم نہ کہتے تھے

مرزا صاحب اپنی آوارگی پر آٹھ آٹھ آنسو بہاتے ہی رہے تو انہوں نے کہا:۔

یہ بھی ناچار جی کا کھونا ہے
شرم سے پانی پانی ہونا ہے
ہوں ترے وعدہ نہ کرنے پر بھی راضی کہ کبھی
گوش منت کشِ گلبانگ تسلی نہ ہوا

مرزا صاحب جس قدر دل پھینک واقع ہوئے تھے سب کو معلوم ہے۔ ان کی آشفتہ دلی و آشفتہ سری کو دیکھ کر بیوی صاحبہ انہیں سمجھانے لگیں:۔

فائدہ کیا سوچ آخر تو بھی ہے دانا اسدؔ
دوستی ناداں کی ہے جی کا زیاں ہو جائیگا

مرزا صاحب رو کر کہنے لگے مجھے کیا معلوم تھا کہ وہ بالکل ہی بیوفا نکلے گا' تو انہوں نے یہ شعر کہا:۔

دل دیا جان کے کیوں اسکو وفادار اسدؔ
غلطی کی کہ جو کافر کو مسلماں سمجھا

پھر فرمایا:۔

کوہکن نقاشِ یک تمثالِ شیریں تھا اسدؔ
سنگ سے سر مار کر ہووے نہ پیدا آشنا

کہنے لگیں مرزا چلو آگرے چلیں، یہاں تمہارا رہنا ٹھیک نہیں ہے مگر مرزا جی دلی چھوڑنے پر کسی طرح راضی نہ ہوئے تو انہوں نے یہ شعر کہا:۔

ہے اب اس معمورے میں قحطِ غمِ الفت اسدؔ
ہم نے یہ مانا کہ دلی میں رہیں کھائیں گے کیا

پھر وہ منحوس دن آ ہی پہنچا کہ چچا غالب کو بیماریٔ عشق نے زار و نزار کر دیا اور مسیحا بھی انہیں موت سے چھڑا نہ سکا بلکہ مسیحا کا آنا ہی ان کے لئے موت کا سبب ہو گیا۔ چنانچہ یہ شعر اسی سلسلہ میں بیگم صاحبہ نے کہا تھا:۔

مر گیا صدمۂ یک جنبشِ لب سے غالب
ناتوانی سے حریفِ دمِ عیسیٰ نہ ہوا

یہ شعر ان کی وفات کے بعد کا ہے۔

اسد اللہ خاں تمام ہوا
اے دریغا وہ رندِ شاہد باز

ان کے گھر میں کفن تک کے لئے کچھ نہیں تھا تو چچی نے محلّہ والوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا:۔

یہ لاشِ بے کفن اسدِ خستہ جاں کی ہے
حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا

یہ شعر ان کے سوئم کے دن کا ہے:۔

وحشت و شیفتہ اب مرثیہ کہویں شاید
مر گیا غالبِ آشفتہ نوا کہتے ہیں

یہ شعر ان کے چہلم پر کہا تھا:۔

ہوئی مدت کہ غالب مر گیا پر یاد آتا ہے
وہ ہر اک بات پہ کہنا کہ یوں ہوتا تو کیا ہوتا

پھر مرحوم کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا جیسے کہ عورتوں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ مُردے کو مخاطب بناتی ہیں:۔

دل میں پھر گریہ نے اک شور اٹھایا غالب
آہ جو قطرہ نہ نکلا تھا سو طوفان نکلا

مرزا صاحب کے مرنے کے بعد گھر پر ویرانی چھا گئی تو یہ شعر کہا:۔

اُگا ہے گھر میں ہر سو سبزہ ویرانی تماشا کر
مدار اب کھودنے پر گھاس کے ہے میرے درباں کا

یہ بھی اسی سلسلہ کا شعر ہے۔

گریہ چاہے ہے خرابی میرے کاشانے کی
در و دیوار سے ٹپکے ہے بیاباں ہونا

مندرجہ ذیل شعر تو یقیناً مرزا نی جی ہی کا ہے کیونکہ مرے پیچھے تو کوئی بھی شعر نہیں کہتا

مر گیا پھوڑ کے سر غالبِ وحشی ہے ہے
بیٹھنا اس کا وہ آ کر تری دیوار کے پاس

یہ اشعار بھی مرحومہ ہی کے ہیں۔ قارئین خود اندازہ لگا لیں گے کہ یہ اشعار کن مواقع پر کہے گئے ہونگے

تھا خواب میں خیال کہ تجھ سے معاملہ
جب آنکھ کھل گئی تو زیاں تھا نہ سود تھا

اور یہ بھی:۔

باقی صفحہ ۲۶ پر

بلوچستان | **طارق نیازی**

آجکل سیاسی طور پر

بلوچستان کئی محاذوں میں منقسم نظر آتا ہے

- باقی صوبوں میں صوبائی وزارتیں قائم ہوں اور بلوچستان کو معاف رکھا جائے
- کیا اس بات کا کوئی عقلی اور منطقی جواز پیش کیا جا سکتا ہے ؟

فلک کی ناہنجاری اور تاریخ کی بے مہر اداؤں نے مل کر زمین کا حسن ویران کیا۔ جن سے بزم ہستی میں رونق تھی، ان کے وجود کو زندگی کی انجمن ترستی ہے اور ستم بالائے ستم یہ کہ جو حقیر وجود زمین پر بوجھ تھے۔ آج زمین کی پشت پر انہی کی فرمانروائی نظر آتی ہے۔ یہ گئے دنوں کی بات ہے، بیتے لمحوں کی یاد ہے کہ بلوچستان میں شرافت کا نام "شمس الدین" قرار پایا تھا۔ وہی شمس الدین جس سے بلوچستان اسمبلی کے ایوان گونجتے تھے جس کی جرأت جہاندار کے سامنے بڑے بڑے سرداروں کی حکومت کے ستون لرزتے تھے۔ وہی شمس الدین جب "دل دشمن" میں کھٹکا تو آسمان نے پاس ادب سے زمین کی اس امانت کو اپنی آغوش میں لے لیا۔ یوں شرافتوں کے شہر میں، جرأتوں کے نگر میں، حق کی ڈگر پہ اہل دل کا سرمایہ لٹ گیا... قبائے شہریاری خون ناحق سے تر ہو گئی۔ جمعیت العلمائے اسلام، ایک جید عالم اور جیالے سپاہی سے محروم ہو گئی۔ چار سو شہرہ ہوا کہ ایک بے گناہ کی جوانی لٹی ہے شرافت کو موت آئی ہے اور میں نے دیکھا کہ اسلام آباد میں نصب اختیار کی سب سے بلند مسند پہ بیٹھنے والے ظالم کو خونیں جبڑوں سے شمس الدین شہید کا لہو بہہ رہا تھا۔ آج

وہ انصاف کے کٹہرے میں کھڑا ایک "درویش" کی زندگی پہ ڈاکہ زنی کے الزام میں جواب و احتساب کے مرحلوں سے گزر رہا ہے اور بلوچستان کے اس شہید کی روح اپنے ستم ایجاد

بھانت بھانت کی سیاسی بولیاں سر اٹھاتی اور دم توڑتی نظر آتی ہیں

قاتل کی پہچان کے لیے آج بھی اختیار و اقتدار کے دروازے پر سوالی نظر آتی ہے۔ مولوی شمس الدین شہید ایک نوجوان سیاستدان تھے ۱۹۷۰ء کے انتخاب میں بلوچستان اسمبلی کے رکن اور بعد میں حسن والوں کی بارگاہ میں اسمبلی کے ڈپٹی سپیکر منتخب ہوئے۔ دنیا سے ان کی "جبری رخصت" کے بعد "جمعیت" بظاہر تاریک سناٹوں میں کھو گئی تھی۔ کوچۂ اقتدار میں اسکے باقیات بھی "باقیات الصالحات" ثابت نہ ہو سکے۔ ہوس اختیار نے ان کے ثبات کو یہاں تک زلزلا دیا کہ انجام کار وہ "اصل اقتدار" ہو کر رہے۔ جمعیت اور مولانا محترم مفتی محمود صاحب کے لیے یہ صدمہ یقیناً جانکاہ تھا۔ لیکن وزارتوں کا تاج جس درگاہ فقر میں پاؤں کی ٹھوکر اور جوتی کی نوک پہ سجتے ہوں ان کے لیے، ہجر و فراق کے یہ ایسے بھی طربیوں کا عنوان بن جاتے ہیں چنانچہ محترم مفتی صاحب اور جمعیت نے اپنے "واصل اقتدار" ہونے والے ساتھیوں کی مفارقت اور پیپلز پارٹی میں ان کی اسارت کو یہ کہہ کر فراموش کر دیا کہ

ع پہنچی وہی پہ خاک جہاں کا خمیر تھا

اب چہار طرف موت کی سی خاموشی تھی۔ نظروں کے سامنے ایک تیرتا ہوا خلا تھا اس خلا میں کئی خاکے بنتے اور بگڑتے رہے مگر قیادت کا خواب شرمندہ تعبیر ہی رہا۔ تا آنکہ "تقدیر ہستی" کو ایک نام سوجھا جو آگے چل کر "بارگاہ عشق و مستی میں" معتبر ٹھہرا... حافظ حسین احمد! اسی تقدیر ہستی کا آفریدہ اور تدبیر کلی کا بخشندہ ہے حسن و جوانی کی بھرپور اداؤں کے ہمراہ زہد و اتقا سے مالا مال "حسین احمد" شہید شمس الدین کا مکمل بدل ہے۔ آج سے ۲۶ سال

پہلے حسین احمد نے علم کی آغوش میں آنکھ کھولی، دینی ماحول میں پرورش پائی اور شباب کی دہلیز پر شہید شمس الدین کو منتظر پاکر "جمعیت" کی ہم سفری اختیار کی۔ جلد ہی ان کے کردار کی خوشبو سے دور و نزدیک مہکنے لگا اور دیکھتے ہی دیکھتے ہر طرف حسین احمد کا نام گونجنے لگا۔ ان کی تقریر سے ابوالکلام ؒ کی خطابت کا کوئی رنگ نہیں ملتا۔ لیکن ان کی گفتگوؤں میں حسین احمد مدنی ؒ کی حکمت و دانائی بولتی نظر آتی ہے۔ ان کے کردار میں دیوبند کی مہکار اور ندوہ " (ندوۃ العلماء لکھنؤ) کی للکار دن کا اُجالا بن کر چمکتی ہے۔ ان کا وجود جدید و قدیم کا حسین امتزاج بن گیا ہے ..... ان کی ان ڈھیر ساری خوبیوں کا نظارہ کر کے جمعیت بھی نثار ہو گئی۔ چنانچہ آپ کو جمعیت العلمائے اسلام بلوچستان کا سیکرٹری اطلاعات منتخب کیا گیا۔

عیدالفطر کے بعد صوبوں میں جن کابیناؤں کی تشکیل کی نوید سنائی گئی ہے۔ اس عمل سے گزر کر حافظ حسین احمد جمعیت ہی کی نہیں حکومت کی طرف سے بھی اطلاعات و نشریات کی مسند سنبھالنے والے ہیں۔ آج کل بلوچستان سیاسی طور پر کئی محاذوں میں منقسم نظر آتا ہے "پیچیدہ سیاست" نے اس علاقہ کو بھیانک ماضی سے نکال کر پھر سے خطرناک مستقبل کے دروازے پہ لا کھڑا کیا ہے۔ اس دروازے پر ایک سیاسی "نقار خانہ" نظر آتا ہے جہاں بھانت بھانت کی سیاسی بولیاں ملر ٹھاتی اور دم توڑتی نظر آتی ہیں ....

لیکن یہ عزت تنہا مگر دانا حسین احمد کو حاصل ہے کہ قدرت نے ان کو "حرف و صوت" کو بھی اعتبار بخشا ہے .... آجکل اٹھنے اور اٹھائے جانے والے ہر سیاسی موضوع پہ بلوچستان کے اس جوانِ رعنا کی آواز جمعیت کی ترجمان سمجھی جاتی ہے۔ مستقبل کی اہم ذمہ داری کے پیشِ نظر صحافت و سیاست بھی محتاط نظر آتی ہے۔ بالخصوص عیدالفطر کے بعد صوبوں میں قائم ہونے والی وزارتوں کی رعایت سے کئی خدشوں اور خطروں کو آواز دی جاتی ہے۔ طرح طرح کی بہکی ہوئی قیاس آرائیوں کے جالے بنے جاتے ہیں۔ حالات کی تاریکی کو اس قدر تاریک ظاہر کیا جاتا ہے کہ روشنی کا وجود بھی کنارِ عدم ہوتا نظر آئے۔ ان خدشوں میں کتنی واقفیت ہے؟ بلوچستان کی مجوزہ کابینہ کے یقینی وزیر اطلاعات و نشریات جناب حافظ حسین آحمد کی زبانی ملاحظہ فرمائیے :-

" ... ہے کہ لوگ آنے کے جدید دور میں بھی بلوچستان کو "قرونِ مظلمہ" میں گرفتار دیکھتے ہیں حالانکہ بلوچستان نے تمام مایوسیوں اور محرومیوں کے باوجود جس تیز رفتاری کے ساتھ شعور کی طرف پیش رفت کی ہے وہ ملک کے تمام دوسرے صوبوں سے مابہ الامتیاز خوبی ہے جو بلوچستان کے حصہ میں آئی ہے .... بلوچستان میں مجوزہ صوبائی کابینہ کی تشکیل کوئی نرالی طرح نہیں جس کے لیے اہل ملک نے بلوچستان کو منتخب کیا ہو۔ جس طرح سندھ، سرحد اور پنجاب میں یہ وزارتیں قائم کی جارہی ہیں۔ اسی طرح بلوچستان میں بھی وزارت قائم ہو رہی ہے۔ جن لوگوں کے ذہنوں میں یہ سوچ پیدا ہوئی ہے کہ باقی صوبوں میں وزارتیں قائم کی جائیں اور بلوچستان کو معاف رکھا جائے کیا وہ اس بات کا کوئی عقلی و منطقی جواز پیش کر سکتے ہیں؟ اگر تو بلوچستان پاکستان کا حصہ ہے تو یہاں بھی وزارت سازی کو بحیثیت کلیہ اپنانا پڑے گا ......"

" اس کے علاوہ بلوچستان میں وزارت کا قیام اس لئے بھی ناگزیر ہے کہ یہاں گذشتہ ۳۱ سال سے عامۃ الناس مسائل کی اوگھٹ گھاٹیوں میں بھٹک رہی ہے۔ لیکن ہنوز منزل سے دُور ہے۔ بلوچستان کے جن خود ساختہ ناخداؤں نے بلوچستان کو مسائلستان کا نام دے رکھا ہے کیا وہ اس حقیقت کا فہم نہیں رکھتے کہ ایک سول حکومت کا قیام جس قدر مسائل کے حل کی راہ کو آسان بنا سکتا ہے اتنا دیگر حالات میں ممکن نہیں۔ اس وقت جبکہ حکومت اور عوام میں مؤثر رابطہ استوار نہیں، حل و عقد کے جملہ اختیارات بیوروکریسی میں مرتکز ہو کر رہ گئے ہیں۔ دوسری طرف عوام ہیں کہ مارے مارے پھرتے ہیں۔ دفتروں کے چکر اور مسائل کے بھنور نے انہیں ایسے پیٹ میں لیا ہے کہ حکومت اور ملک تو ایک طرف رہا، وہ اپنی زندگی سے بھی بے زار نظر آتے ہیں، ان حالات میں ضروری تھا کہ عامۃ الناس کی آواز کو حکومت کے ایوانوں میں براہ راست رسائی حاصل ہو۔ موجودہ حکومت نے بھی اس حقیقت کو تسلیم کیا کہ عوام کے بڑھتے ہوئے مسائل کے حل میں وہ تنہا کچھ کردار ادا کرنے سے عاجز ہے۔ چنانچہ "عوام عوام" کی رٹ لگانے والی تمام جماعتوں کو حکومت کی طرف سے تعاون کی درخواست کی گئی۔ لیکن خود غرضوں اور مفاد پرستوں نے "سیاسی کیریئر" کے تحفظ کے نام پر اپنی حقیر خواہشات کو قوم اور ملک پر فوقیت دیتے ہوئے تعاون کی بجائے الٹا حکومت سے محاذ آرائی کی پالیسی اختیار کر لی۔ اور آج جو کچھ آپ کے کان سن رہے ہیں اور میری زبان ادا کر رہی ہے وہ اس "متوقع محاذ آرائی" کا سر آغاز ہے ....."

حافظ صاحب کا حسن تکلم، تلخ حقائق سے ابھرنے والے داغ داغ وجود سیاست کی نشاندہی کر رہا تھا کر آخری جملہ میں "متوقع محاذ آرائی" کے الفاظ استعمال کر کے انہوں نے یکسر چونکا دیا۔ میری حیرتوں کو ماپتے ہوئے وہ گویا ہوئے : حقائق کی تلخی پہلے سے بڑھ چکی ہے۔ بلوچستان میں ایک ایسا عنصر ضرور موجود ہے جو اس علاقہ میں حالات کو بے قابو کر کے اس کی سمت سفر اپنے من چہے اصولوں کے ماتحت متعین کرنے کا متمنی ہے یہ عنصر قطعاً اس بات کا خواہاں نہیں کہ بلوچستان کا عام آدمی سکھ کا سانس لے۔ بلکہ اس کی دلی خواہش یہ ہے کہ یہاں کے باشندگان مسائل میں گھرے رہیں تاکہ ان کی آہوں، آنسوؤں اور سسکیوں سے اٹھنے والے غبار میں ان کی "وڈیرہ شاہی" کا تاج ایک دائمی قدر بنا رہے۔ اس وقت یہی عنصر ہے۔ جو باقی ملک کو چھوڑ کر بلوچستان میں صوبائی کابینہ کی راہ میں روڑے اٹکانے کی کوشش کر رہا ہے ...... ہم ایسے عناصر سے غافل نہیں۔ ہم ان کی سرگرمیوں پہ کڑی نظر رکھے ہیں حال ہی میں منگچر (قلات سے کچھ دور) کے علاقہ میں ان عناصر نے کچھ تخریب کی۔ گاڑیاں اور ٹرک روک کر فائرنگ، کی اور بے بس مسافروں کو لوٹ کر لے گئے۔ ایسے واقعات ہماری مشکلات راہ کی تمہید ضرور ہیں لیکن ہم اللہ تعالیٰ کے فضل سے ان عناصر کی تمام خواہشات کو پیوند کر دیں گے۔ ہم صبر و عزیمت کے ہتھیار لے کر میدانِ عمل میں آئے ہیں اور ہمیں یقین ہے کہ ہم بجلد تمام بلوچستان کے صاف دل عوام کے دلوں میں گھر کر لیں گے۔ کیونکہ یہاں کے لوگوں کو جو کچھ دلچسپی ہے۔ وہ اپنے مسائل کے حل سے ہے نہ کہ "خود ساختہ تاجداروں" کی تاجداری۔

"حافظ صاحب! اگر آپ کی سابق حلیف این ڈی پی نے

بلوچستان میں آپ کی وزارت کی مخالفت کی تو آپ کا لائحہ عمل کیا ہوگا؟" "ہم اپنی فطرت کے ماتحت چلیں گے"۔ حافظ صاحب نے بڑے سکون سے جواب دیا......

"ہم نے مشکل ترین دور میں این۔ ڈی۔ پی کا ساتھ نبھایا ہے آج اگر این۔ ڈی۔ پی کے اکابرین ماضی کو فراموش کر بیٹھے ہیں تو ہم اپنے طور پر وسعت قلب کا مظاہرہ کریں گے۔ ہم ہر جائز مخالفت کا نہ صرف سامنا کریں گے بلکہ دستور قانون کی حدود میں اس کی حوصلہ افزائی بھی کریں گے۔ لیکن اگر کچھ لوگ یہ سوچتے ہوں کہ کس طرح بلوچستان میں امن وامان کا مسئلہ پیدا کرکے پھر سے وہ اپنی دکان سیاست چمکالیں گے تو وہ احمقوں کی جنت میں رہتے ہیں...... ہم بہت دور نکل آئے ہیں۔ یہ سوچیں ماضی کے دھندلکوں اور اندھیروں میں تو سوجھ سکتی تھیں لیکن آج کے دور میں یہ سوچیں روشنی کی توہین ہیں۔"

حافظ صاحب دھیمے لہجوں میں دھیرے دھیرے واقعات کی تہیں کھول رہے تھے...... اور میرا ذہن مخالف کی اس آواز پر لگا تھا کہ بلوچستان میں اصل طاقت این ڈی پی ہے۔ حافظ صاحب سے تصدیق چاہی تو چونک کر بولے "جی! یہ آج کی بات نہیں۔ یہ دعوے سنتے سنتے ہمارے کان پک گئے ہیں لیکن ہم واقعات اور تجربات کو مانتے ہیں۔ اکتوبر ۷۹ء کے عام انتخابات کے لیے بلوچستان میں این ڈی پی اور جمعیت کو صوبائی اسمبلی کے لیے مشترکہ طور پر ۲۰ نشستوں کا کوٹہ ملا تھا۔ ہم نے آپس میں یوں تقسیم کی کہ ۱۵ نشستیں ہمارے حصہ میں اور ۵ نشستیں این ڈی پی کے دعویداروں کے حصہ میں آئیں۔ لیکن بعد میں ایک سیٹ ہمیں مل گئی اور اب دونوں کا نشستوں کی تقسیم کی حد تک پلہ بھاری تھا۔ اگر انتخابات ہو جاتے تو ہر چیز آئینہ ہو جاتی"۔

"ہاں آپ ۱۹۷۰ء کے انتخابات کی بات کر سکتے ہیں۔ اس میں نیپ کے مقابلہ میں ہماری پوزیشن دوسری تھی۔ اس کی وجوہ یہ تھیں کہ بلوچستان میں انتخابی معرکہ ہمارے لئے بالکل نیا تھا۔ تجربہ کی کمی کے ساتھ ساتھ وسائل بھی نہیں تھے پھر خواتین کے ووٹ قبائلی روایات ورعایات کے طفیل جعلسازی کی نذر ہو گئے۔ چنانچہ ہمیں دوسری پوزیشن حاصل ہوئی۔ لیکن آج ہم بفضل تعالیٰ اس قدر طاقت ور ہیں کہ بلوچستان کے نام نہاد اجارہ داروں کو ان کے گھروں میں شکست دے سکتے ہیں اگر بلوچستان کے سابق گورنر "بابائے بلوچستان" میر غوث بخش بزنجو اپنے آبائی حلقہ "نال" سے الیکشن لڑیں تو ہم فیصلہ دے سکتے ہیں کہ بلوچستان کی اصل طاقت کون ہے؟ مگر افسوس تو یہ ہے کہ بزنجو صاحب گھر چھوڑ کر "مکران" کو میدان انتخاب چنتے ہیں تاکہ شکست کے صدمہ سے محفوظ رہیں۔ لیکن اب حالات مکران میں بھی ان کی سازگاری سے قاصر ہیں ہماری پھیلتی ہوئی تنظیم نے بلوچ پشتون دونوں علاقوں پر گہرے دینی و مذہبی اثرات مرتب کیے ہیں اور ہمیں یقین کامل ہے کہ انشاءاللہ "آج" اور "کل" ہمارا ہے، ہمارا ہوگا۔

حافظ صاحب، بھرپور اعتماد کے ساتھ آج اور کل سے اپنی قوت کا مضبوط جائزہ پیش کر رہے تھے تفصیلات کا سمندر موجزن تھا کہ میرے ایک سوال نے موج کو کنارا بننے پر مجبور کر دیا...... حافظ صاحب! ۱۹۷۰ء کے بعد جمعیت کے بڑھتے ہوئے اثرات کی وجہ کیا ہے؟

"آپ جانتے ہیں کہ ۱۹۷۰ء میں نیپ سے ہمارا انتخابی و حکومتی اتحاد ہوا۔ ۱۹۷۳ء میں جب سرحد، بلوچستان میں حکومتیں برطرف ہوئیں تو نیپ پر پابندی لگا دی گئی۔ بلوچستان میں احتجاج ہوا۔ لوگ پہاڑوں پر چڑھ گئے۔ جب ان کے پاس راشن وغیرہ ختم ہوتا تو وہ پہاڑوں کے دامن میں آباد علاقوں میں گھس کر لوگوں سے جبراً کھانے پینے کی اشیاء وصول کرتے۔ عوام ان کی ان حرکات سے سخت نالاں ہوتے۔ پھر اسی پر بس نہ تھا۔ دوسری طرف سے فوج آتی اور ان علاقوں میں لوگوں کو اس الزام میں گرفتار کر لیتی کہ انہوں نے باغیوں اور تخریب کاروں کو پناہ دی ہے۔ عوام اس بلائے بے درماں کو بھی نیپ کے مجاہدین کے کھاتہ میں ڈالتے۔ مستزاد یہ کہ "سردار" ان غریب عوام سے "ٹیکس" (زرعی پیداوار کا چھٹا حصہ بطور ٹیکس) کے طلب گار ہوتے۔ جہاں سے انکار آتا، سردار کی "کال" پہ مجاہدین کے دستے پہاڑوں سے اتر کر غریبوں کے کھلیان نذر آتش کر دیتے۔ اس سلوک نے لوگوں کو دل برداشتہ کر دیا۔ ان کی آہیں عرش کے پار جاتیں مگر بے اثر نالے ستم کی رات کو ڈھلتا ہوا نہ پاتے اس شب تار میں جمعیت نے اعتدال اور حسن سلوک کی شمعیں فروزاں کیں۔ لوگوں کے گھروں میں جا جا کر ان کے احوال معلوم کیے۔ ان کی دستگیری کی اور نتیجۃً آج نیپ یا اس کے "جدید ایڈیشن" (این ڈی پی) کے مقابلہ میں جمعیت ایک ترو تازہ قوت ہے۔"

حافظ صاحب کی گفتگو سے تیقنوں کی تپش بھی صاف ہو رہی تھی...... لیکن میرے دل میں این ڈی پی کی پی این اے اور جمعیت سے علیحدگی ایک سوالیہ نشان بنی ہوئی تھی۔ چنانچہ حافظ صاحب جیسے دل کے "درون" میں جھانک کر گویا ہوئے:۔

"این ڈی پی کی پی این اے سے علیحدگی کوئی عجب غیر امر نہیں۔ این ڈی پی کے انتہاپسند حلقے عرصے سے اس امر کی کوششیں کر رہے تھے۔ انہوں نے این ڈی پی پر پھبتیاں [illegible] اسے "داڑھی منڈی جمعیت" سے بھی تعبیر کیا۔ وجہ یہ تھی کہ نیپ کے مقابلہ میں این ڈی پی اپنے [illegible] کتاب وسنت کی پیرو تھی۔ لیکن ایک منظم سازش کے تحت سیکولر انتہاپسندوں نے این ڈی پی [illegible] سیکولر اصلاحات اور صدر این ڈی پی [illegible] خان انتہاپسند عناصر کے قائد تھے [illegible] جماعت ہونے ہی اس امر کی کوششیں ہوتے [illegible] سے علیحدگی اختیار کرلی جائے۔ اتفاق سے پارٹی کنونشن میں بھی ایسے لوگوں کی مؤثر طاقت ابھر کر سامنے آئی۔ لہذا پارٹی کو اندرونی خلفشار سے بچانے کے لیے پی این اے سے علیحدگی کا فیصلہ کیا گیا۔

حافظ صاحب نے گفتگو جاری رکھتے ہوئے پیش گوئی کے سے انداز میں کہا:

"این ڈی پی کا جمعیت سے الگ ہونا اسے ملک بھر میں سیاسی حادثہ سے دوچار کر دیگا۔ جمعیت ایک ملک گیر جماعت تھی اور ہے۔ این ڈی پی کے اتحاد کے بعد جمعیت نے پنجاب کی گلیوں میں این ڈی پی اور نیپ کی نیابت کے بارے میں [illegible] پیش کیں۔ لوگوں کے ذہنوں میں موجود غلط فہمیوں کا ازالہ کیا اور یوں این ڈی پی کو ایک نئی سیاسی دنیا عطا کی۔ لیکن اب کے بعد این ڈی پی ان حاصل شدہ تمام فوائد سے نہ صرف محروم ہو جائے گی بلکہ ملک بھر میں جمعیت کے زیر اثر حلقوں میں بار بھی نہ پا سکے گی۔

حافظ صاحب! کچھ دیر پہلے آپ نے بلوچستان کے اجارہ داروں کا نام لیا تھا تو میرے ذہن میں بلوچستان کے مسئلہ کی بازگشت بھی گونج رہی تھی کیا آپ بلوچستان کے

مسئلہ کا صحیح رُخ بتانا پسند فرمائیں گے؟ حافظ صاحب نے سوچوں کے دائرے کھینچتے ہوئے کچھ کہنا چاہا مگر رک سے گئے:

"میں اس مسئلہ پر گفتگو نہیں کروں گا۔ کیونکہ اس کی تان پھر کر اس مسئلہ کے تخلیق کاروں کی ذات پر جا کر ٹوٹے گی اور میں نہیں چاہتا کہ کسی کی ذات کو موضوع سخن بناؤں۔"

"گویا یہ مسئلہ اتنا ہی کم اہم ہے کہ بس کسی کی ذات کا عنوان کہا جا سکتا ہے؟ . . . . ."

"نہیں ایسی بات بھی نہیں، آپ چاہتے ہیں تو میں تفصیل سے ... کر دیتا ہوں۔" دراصل بلوچستان ہر ذہن کے دائرہ میں ایک مخصوص وجود رکھتا ہے۔ حتیٰ کہ بلوچستان کے مسئلہ پر بلوچ لیڈروں کا بھی ایکا نہیں۔ لہٰذا میں "ان بزرگوں" سے ...ہوں گا کہ بلوچستان کے مسئلہ کے حل سے پہلے ذرا اس کا تعین تو کرلیں! لیکن ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔ کیونکہ بلوچستان کے ہمدردوں کے نزدیک بلوچستان کا مسئلہ، دراصل بلوچستان کا مسئلہ نہیں: اور میں یہ حسرت تمام کہتا ہوں کاش! بلوچستان کا مسئلہ، بلوچستان کا مسئلہ نہ ہوتا!! لیکن یہاں کے ستم ایجادوں نے اپنی دلچسپیوں کو بلوچستان کے مسئلہ کا عنوان بنا دیا۔ آپ اگر پس منظر میں جھانکیں تو صورت حال واضح ہوجاتی ہے.... ایک مقولہ ہے ایک انگریز سو سال پہلے سوچتا ہے۔ مسلمان عین وقت پر سوچتا ہے اور سکھ کام کرنے کے بعد سوچتا ہے۔ جب برصغیر میں تاج برطانیہ کا راج تھا۔ انگریز نے سو سال پہلے اور آگے دیکھتے ہوئے بلوچستان کو اپنی دکھتی رگ تسلیم کیا۔ اس نے محسوس کیا کہ بلوچستان اسلامی بلاک کی اہم بنیاد بن سکتا ہے کیونکہ بلوچستان کے علاقے یعنی گوادر، جیونی اور ٹارہ سے لے کر خلیج کی ریاستوں دوبئی، عمان، مسقط وغیرہ تک ایک اسلامی پٹی بنتی ہے جس کا سفر سعودی عرب تک جا پہنچتا ہے ایران اور افغانستان بھی اس پٹی میں شامل ہے۔ مکران اس پٹی کا دروازہ بنتا ہے کیونکہ یہ صرف بلوچستان کا ہی ساحل ہے جو جہازرانی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ باقی پٹی میں کوئی ایسا علاقہ نہیں۔ چنانچہ انگریز نے متوقع اتحاد کی یقینی بنیاد کو ڈھانے کے لیے عمداً بلوچستان کو پسماندہ رکھا تاکہ یہاں کے مسائل، یہاں کے لوگوں کو عالمی اسلامی سوچ سے محروم رکھیں۔ اس غرض کے لیے انہوں نے جاگیرداری اور سرداری نظام کا اجراء کر کے ہزاروں لوگوں کی قسمت کا مالک ایک ایک فرد کو بنا دیا جو جیسے چاہتا انسانوں کے ریوڑ ہانکتا تھا۔ اب انگریز کو عام لوگوں تک پہنچنے کی ضرورت نہ تھی وہ ایک فرد جو سردار یا جاگیردار ہوتا، اس سے اپنا رابطہ استوار رکھتے اور وقتاً فوقتاً کام نکالتے تھے۔ سرداروں کے تسلط کو دوام بخشنے کے لیے "ششک" کا اجراء کیا گیا یعنی عام کسانوں اور کاشتکاروں سے ایک سردار کہتا کہ آپ کا زیر کاشت رقبہ ایک دور میں میری جاگیر ہوتی تھی لہٰذا آپ ہل چلائیں، فصل کاشت کریں، برداشت لائیں اور ہم آپ کو کچھ دیئے بغیر آپ کی برداشت کے چھٹے حصے کے مالک ہیں۔ اب بلوچستان کے مسئلہ کا آغاز اس وقت ہوا جب انگریز کے بعد (قیام پاکستان کے بعد) بھی انگریز کی روش کو جاری رکھا گیا۔ لوگ فرنگی کے مظالم کو غیر مسلم سمجھ کر نظرانداز کر دیتے تھے لیکن جب انہوں نے بھی انگریز کی جانشینی اختیار کی اور ہزاروں انسانوں کے مقابلہ میں ایک ظالم جابر جاگیردار کو اہمیت دینا شروع کر دی۔ تو بلوچستان ایک مسئلہ بننا شروع ہوگیا لیکن علماء کرام نے دن رات ایک کر کے، اسلام کی روشن تعلیمات کے سہارے عوام کو خود شناسی کا درس دیا۔ اب ۳۱ سال کی مسلسل کوششوں کے بعد ہم دیانتداری سے یہ محسوس کرتے ہیں کہ خود عوام نے بڑھ کر سرداروں کی سرداری لپیٹ دی ہے اب ان سرداروں کی کوئی جڑ باقی نہیں رہی۔ اس حقیقت کے باوجود اگر جنرل ضیاء بلوچستان کے موہومہ مسئلہ کی رعایت سے یہاں کے سرداروں کو بلاتے اور ان سے بات چیت کرتے ہیں تو میں اتنا ہی کہہ سکتا ہوں کہ وہ انگریز کی ریت روایت نبھا رہے ہیں۔"

حافظ صاحب حقائق کی دنیا میں بہت آگے نکل گئے تھے۔ روزہ دار ہونے کے باوجود وہ بڑے تحمل اور تفصیل سے شبہات کی زنجیروں کو تار عنکبوت کی طرح کاٹ رہے تھے۔ میں نے اٹھنے سے پہلے ان سے آخری سوال کیا۔

"حافظ صاحب! آجکل پھر سے چار قومیتوں کا شور ہے۔ اس باب میں آپ کچھ کہیں گے؟"

حافظ صاحب نے قدرے سنجیدہ ہو کر کہا: "میرے خیال میں یہ گڑے مردے اکھیڑنے والی بات ہے... ورنہ حقیقت حال کو تو ان قومیتوں کے پرچارک بھی سمجھتے ہیں۔ مجھے ان کے ایک بڑے لیڈر سے حال ہی میں ملاقات کا اتفاق ہوا۔ انہوں نے فرمایا:

"قومیتیں ایک حقیقت ہیں۔ آپ بلوچستان کے علماء کرام کو لے لیں۔ یہ زبان۔ رنگ۔ تہذیب۔ تمدن۔ عادات۔ اطوار لباس۔ گفتگو غرضیکہ ہر لحاظ سے پنجاب یا دیگر صوبوں سے مختلف ہیں اور کسی بھی موقع پر ان رعایات سے ان کا اختلاف کم نہیں ہوتا۔" میں نے ان کی بات کا بڑے سکون سے جواب دیا:

"جناب! آپ صحیح فرماتے ہوں گے۔ لیکن ہمارا تجربہ مختلف ہے۔ ہم نے مارچ ۱۹۷۷ء کی تحریک نظام مصطفیٰ میں دیکھا کہ ان تمام اختلافات کے باوجود، اسلام کے رشتہ وحدت نے علماء ہی کو نہیں پوری قوم کو سیسہ پلائی ہوئی دیوار بنا دیا۔"

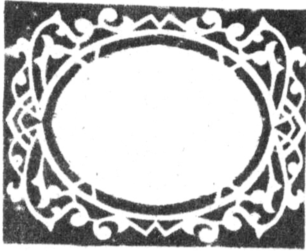
"اصل میں بات یہ ہے جی کہ چار قومیتوں کے پرچارک سرزمین پاک میں غیرملکی فلسفوں کو آزمانا چاہتے ہیں۔ کبھی کبھار چار قومیتوں کے ساتھ عظیم تر بلوچستان کی بازگشت بھی سنائی دیتی ہے۔ جس کا حدود اربعہ ایران، عراق، مکران، ڈی جان کے علاقوں تک پھیلا ہوا ہے۔ لیکن یہ سب "عالمی مفادات" کے تکلفات ہیں۔ کون نہیں جانتا کہ حریص خواہشیں اور للچائی ہوئی نگاہیں سپنی، گوادر اور مکران کا گرم ساحل لینا چاہتی ہیں۔ ان کے پاس اس ساحل کے علاوہ اپنی کوئی بندرگاہ بھی نہیں۔ روس میں بھی بحر منجمد کی وجہ سے جہازرانی مشکل ہے۔ جبکہ ہمارا ساحل سارا سال جہازرانی کے قابل ہے۔ چنانچہ اپنے درپردہ مقاصد کے حصول کے لیے پاکستان کی قومی وحدت میں رخنہ ڈالنے والے "قومیتوں" کا شور اٹھاتے رہتے ہیں۔"

اس سے پہلے کہ میں حافظ صاحب کا شکریہ ادا کر کے اجازت چاہتا۔ میں نے مجوزہ صوبائی کابینہ کے وزیر اطلاعات و نشریات سے پوچھنا ضروری سمجھا کہ وہ اطلاعات کے شعبہ میں کسی نوع کی اصلاحات پیش نظر رکھتے ہیں؟ حافظ صاحب نے برجستہ کہا: "اگر یہ حادثہ درپیش ہوا تو میں آپ کو "بلاکر" اصلاحات کا نقشہ مرتب کروں گا۔" بلاکر نقشہ مرتب کرنے کا عزم بول رہا تھا کہ "مقتدر" خواہ کوئی بھی ہو۔ اقتدار کی روک خود چل کر اسے کسی کے پاس جانے نہیں دیتی۔

★

مولانا مفتی محمود سے انٹرویو

جمہوریت پر ایمان رکھنے والی سیاسی جماعت کا مارشل لاء کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہوتا



- ہم انتخابات منعقد کرانے کیلئے راستہ ہموار کرنا چاہتے ہیں۔
- اسلام کا اقتصادی نظام آئے گا تو عوام کی حالت سدھر جائیگی
- یہ پہلی کابینہ ہے جس میں "بیوروکریسی" کا کوئی نمائندہ نہیں ہے۔

پاکستان قومی اتحاد کے صدر مولانا مفتی محمود ایک عالم دین، مبلغ اسلام، دینی و سیاسی رہنما کے طور پر تعارف کے محتاج نہیں — حال ہی میں جنرل محمد ضیاء الحق کے ساتھ ان کے کامیاب مذاکرات کے نتیجہ میں نئی وفاقی کابینہ کی تشکیل ہوئی ہے۔ مفتی صاحب نے خود نئی کابینہ میں کوئی عہدہ قبول کرنے کی بجائے اتحاد کی صدارت پر ہی اکتفا کیا ہے۔ موجودہ حالات کے سیاق وسباق میں ہمارے نمائندہ نے ان سے جو انٹرویو کیا ہے وہ درج ذیل ہے۔

سوال: مفتی صاحب کیا آپ میرے اس خیال سے اتفاق کریں گے کہ اب پی این اے کا عملاً وجود نہیں رہا۔ کیونکہ تین چار جماعتیں پہلے ہی اتحاد سے قطع تعلق کر چکی ہیں اور اب تو صرف یہ تین جماعتوں کا اتحاد ہے۔؟

جواب: مجھے آپ کے خیال سے بالکل اتفاق نہیں ہے قومی اتحاد پارٹیوں کی تعداد کا نام نہیں بلکہ یہ قوم کا اتحاد ہے۔ ہمارے پاس اب بھی ایسی پارٹیوں کی درخواستیں موجود ہیں جنہیں ہم اتحاد میں شامل کر لیں تو نو سے بھی زیادہ پارٹیوں کا اتحاد بن سکتا ہے۔ میں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ قوم اب بھی قومی اتحاد کے ساتھ ہے اور قومی اتحاد اب بھی سب سے زیادہ مؤثر جماعت ہے۔ آج انتخابات کرا کر دیکھ لیں آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ قومی اتحاد سب سے زیادہ مؤثر جماعت کی حیثیت سے سامنے آئے گا۔

سوال: اکثر کہا جاتا ہے کہ پاکستان ایک سنگین بحران سے دوچار ہے اور اسے مارشل لاء کے تحت سیاست دانوں پر مشتمل حکومت ہی دور کر سکتی ہے۔ کیا آپ اس بحران کی نشاندہی کر سکتے ہیں۔؟

جواب: پاکستان میں قومی حکومت کی موجودگی ایک بحران کی وجہ سے ہی ہے۔ اگر بحران نہ ہوتا تو مارشل لاء کیسے لگتا؟ بات یہ ہے کہ ہم نے بہت جلد جمہوریت کی طرف لوٹنا ہے اور جمہوریت کی طرف لوٹنے کے لیے ضروری ہے کہ موجودہ حکومت سے تعاون کیا جائے۔ ہم انتخابات منعقد کرانے کے لیے راستہ ہموار کرنا چاہتے ہیں۔ اگرچہ کسی بھی جمہوری جماعت کے لیے مارشل لاء کے تحت حکومت میں شامل ہونے کا جواز نہیں ہوتا لیکن ہنگامی حالات میں ایسا ممکن ہے جمہوریت پسند ہونے کا دعویٰ کرنے والی جماعت کا مارشل لاء سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ ایسا کام مسٹر بھٹو کر سکتا ہے جو سویلین ہوتے ہوئے چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر بھی ہو اور جمہوریت کا چیمپین ہونے کا دعویٰ کرے۔ دونوں باتیں بھٹو ہی کر سکتا ہے۔ پاکستان قومی اتحاد جمہوریت کی بحالی کے لیے کام کر رہا ہے، ہم مارشل لاء کے تحت حکومت میں شامل ہونے کے لیے تیار نہیں لیکن بعض اوقات ہنگامی ضرورتوں کے تحت حالات مختلف بھی ہو سکتے ہیں ۱۴ اگست کو برصغیر کی تقسیم ہو گئی تو اس سے قبل مختلف معاملات طے کرنے کے لیے عبوری حکومت تشکیل دی گئی یہ غیر منتخب حکومت انگریز کی سربراہی میں بنائی گئی تھی۔ اس حکومت میں جواہر لال نہرو اور لیاقت علی خان شامل ہوئے تھے تقسیم ہند اتنا بڑا مسئلہ تھا کہ اگر عبوری حکومت تشکیل نہ دی جاتی تو ہم تقسیم کے مراحل احسن طریقے سے طے نہ کر پا سکتے اب ملک میں مسئلہ یہ ہے کہ جمہوری اقدار کی بحالی کی جائے۔ ہم نے انتخابات کے انعقاد کی راہ ہموار کرنی ہے۔ ۱۹۷۷ء میں بھٹو حکومت کے

خلاف ہو تحریک چلی تھی اس کے مقاصد میں جہاں دوبارہ انتخابات کروانا تھا وہاں اسلامی نظام کا نفاذ بھی تھا ہم یہ دعویٰ نہیں کرتے کہ چند دنوں میں اسلامی نظام قائم کر دیا جائے گا۔ البتہ یہ ضرور ہوگا کہ اسلامی نظام کے قیام کے لیے راہ ہموار ہو گی۔ انشاء اللہ جلد ہی الیکشن شیڈول کا اعلان کر دیا جائے گا۔

سوال: کیا یہ بات درست نہیں کہ موجودہ حکومت کے ایک سال کے دوران عوام کی مشکلات میں ہی اضافہ ہوا ہے۔ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ پاکستان کے موجودہ انتظامی اقتصادی، تعلیمی ڈھانچے میں بنیادی تبدیلیوں کے بغیر وہ سیاسی نعرے عملی شکل اختیار کر سکتے ہیں جو آپ اور موجودہ حکمران لگا رہے ہیں نیز اسلامی نظام کا نفاذ عوام کی اقتصادی مشکلات کا حل اور پاکستان کو جمہوریت کی راہ پر گامزن کرنا ہے؟

جواب: مجھے آپ کی بات سے اتفاق ہے کہ عوام کی مشکلات، ہر شعبہ زندگی میں بنیادی تبدیلیوں کی ضرورت ہے اسلام کا اقتصادی نظام آئے گا تو عوام کی حالت سدھر جائے گی۔ میں سمجھتا ہوں کہ پچاس فیصد معاشی مسائل اسلام کے اخلاقی نظام سے ہی حل ہو سکتے ہیں اسلام میں ارتکاز دولت کی اجازت نہیں۔ صحابہ کرام کی زندگیاں ہمارے لیے نمونہ ہیں۔ کوئی شخص اپنے پڑوسی کو بھوکا نہ سونے دے اور بھوکے کو کھلا کر سوئے عوام کے اخلاق اتنے بلند ہوں کہ کسی کی تکلیف پر سوسائٹی تکلیف محسوس کرے اخلاقی طور پر ملک کے معاشی مسائل حل ہو سکتے ہیں ہم اسلامی نظام کو کلی طور پر نافذ کرنا چاہتے ہیں، پاکستان میں بحالی جمہوریت ہمارے مقاصد میں سے ایک ہے۔

سوال: کیا آپ کے ساتھی کابینہ میں شامل ہونے کے بعد نوکرشاہی کے بے لگام گھوڑے کو قابو کر سکیں گے؟

جواب: جی ہاں! کیوں نہیں؟ ہم اپنی پوری کوشش کریں گے کہ نوکرشاہی کے بے لگام گھوڑے کو قابو کریں۔ اگر قابو نہ کر سکے تو چھلانگ لگا کر باہر آ جائیں گے۔

سوال: کہا جاتا ہے کہ اگر گھوڑے کو معلوم ہو جائے کہ سوار اناڑی ہے تو وہ سواری نہیں کرنے دیتا؟

جواب: یہ بالکل درست ہے، ہر گھوڑا ایسا ہی کرتا ہے۔

سوال: جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ پی این اے میں شامل چار جماعتیں شریک اقتدار ہو رہی ہیں مختلف میدانوں میں پی این اے کے پاس کوئی طے شدہ پالیسیاں ہیں جنہیں آپ فوری طور پر روبہ عمل لا سکتے ہیں؟

جواب: جی ہاں! ہمارے پاس طے شدہ پالیسیاں ہیں جنہیں ہم مختلف میدانوں میں نافذ کریں گے۔

سوال: آپ اکثر بامقصد اور بااختیار حکومت کی بات کرتے ہیں بااختیار کی بات تو سمجھ میں آتی ہے بامقصد سے کیا مراد ہے؟

جواب: ہم نے جنرل ضیاء الحق کے نام ۲۵ مئی کے خط میں بامقصد حکومت کی وضاحت کر دی تھی۔ جہاں ہم بامقصد حکومت کی بات کرتے ہیں وہاں الیکشن منعقد کروانا اور اسلامی نظام کے نفاذ کے لیے راہ ہموار کرنا بھی مقصود ہے۔

سوال: لیکن آپ کے ایک ساتھی کا کہنا ہے کہ کوئی بات تسلیم نہیں ہوئی!

جواب: ایسی کوئی بات نہیں۔

سوال: کیا بیوروکریسی ایک گروہ کی طرح مضبوط ہے؟

جواب: ہم نے طے کر لیا ہے کہ بیوروکریسی کا کوئی نمائندہ کابینہ میں نہیں لیا جائے گا نوکری چھوڑنا پڑے گی یا وزارت آج تک کبھی نہیں ہوا کہ کوئی سرکاری ملازم ہوتے ہوئے بھی وزارت کے عہدہ پر فائز رہے ایسی غلط نظیر کہیں نہیں ملتی۔

سوال: فرض کیجئے کہ کل تک کوئی شخص بیوروکریسی کا نمائندہ ہو، اگلے روز مستعفی ہو جائے تو کیا وہ شخص کابینہ میں شامل ہو سکتا ہے؟

جواب: ہاں ایسا شخص کابینہ میں شامل ہو سکتا ہے۔

سوال: کیا پی این اے کے وزراء اپنے انتظامی اخراجات میں کمی کا ارادہ رکھتے ہیں؟

جواب: ہم انتظامی اخراجات میں بہت زیادہ کمی کرنا چاہتے ہیں۔ پاکستان جیسا غریب ملک غیر معمولی اخراجات کا کیسے متحمل ہو سکتا ہے؟ وزراء، صدر اور دوسرے اہم عہدیدار اپنے اخراجات میں کمی نہیں کریں گے تو ملک کیسے چلے گا؟

سوال: این ڈی پی کی علیحدگی کے فوری اسباب کیا ہیں؟

جواب: این ڈی پی کی علیحدگی پر ہم کیا تبصرہ کریں وہ خود علیحدہ ہوئے ہیں، علیحدگی کے اسباب وہی بتا سکتے ہیں اگر ہم انہیں علیحدہ کرتے تو پھر ہم جواب دیتے۔

سوال: ۱۹۷۰ء میں کالعدم نیپ اور جمعیت علمائے اسلام کے درمیان معاہدہ ہوا تھا اس کی تفصیلات کیا ہیں؟ این ڈی پی کا کہنا ہے کہ وہ معاہدہ پر قائم ہے [illegible] اعلان کر دیا ہے کہ معاہدہ ختم ہو [illegible]

ہے۔ ! ؟

جواب ! کالعدم نیپ سے ایک سیاسی معاہدہ ہوا تھا کہ ہم سیاسی وحدت کے طور پر کام کریں گے۔ اس معاہدہ کے پانچ ارکان تھے۔ ہم سیاسی وحدت کے طور پر کام کرتے ہوئے جمعیت اور کالعدم نیپ کی مخلوط حکومت سے مستعفی ہونے کا فیصلہ کیا۔ یو ڈی ایف بنا تو ہم نے سیاسی وحدت کے طور پر کام کیا اس معاہدہ کا احترام کرتے ہوئے ہم نے پی این اے کی صورت میں وسیع تر اتحاد کی بنا ڈالی، ہم پہلے معاہدہ کا احترام کرتے ہوئے آگے بڑھے ہیں اب اگر ایک جماعت اس وسیع تر اتحاد سے نکل جاتی ہے۔ آپ ہی بتائیں، میں مستقبل قریب میں ہونے والے انتخابات میں پی این اے کا ساتھ دوں گا۔ یا اس پارٹی کا جو ہمارا ساتھ چھوڑ گئی ہے۔ جو اتحاد کا مخالف ہے وہ ہمارا مخالف ہے۔

سوال: کیا این۔ ڈی۔ پی سے دوبارہ سیاسی مفاہمت کا امکان ہے۔ ؟

جواب: ہم نے ان سے فیصلے پر نظر ثانی کی اپیل بھی کی ہے۔ کہ وہ ہمیں اس صورت حال سے دوچار نہ کریں بصورت دیگر ہمارا این ڈی پی سے مقابلہ ہو گا۔

سوال: کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ پی این اے بھٹو کے دور میں نہ ٹوٹ سکا۔ ، مگر بھٹو کے اقتدار سے محروم ہونے کے بعد پی۔ این۔ اے کے لیڈروں کی باہمی چپقلش نے یہ کام کر دیا۔ ؟

جواب: بات یہ ہے کہ جب ملک میں سیاسی عمل جاری ہو تو عوام میں شعور پیدا ہوتا ہے، جب عوام کا سیاسی شعور بیدار ہوتا ہے تو سیاسی پارٹی کو سیدھے راستے پر چلنا ہوتا ہے۔ جب بھٹو حکومت کے خلاف تحریک چل رہی تھی، سیاسی عمل جاری تھا قوم بھی منظم تھی سیاسی شعور بھی بیدار تھا، اس زمانے میں کسی سیاسی لیڈر یا پارٹی کو جرأت نہیں ہو سکتی تھی کہ وہ اتحاد سے علیحدہ ہونے کا اعلان کرے قوم ایسی پارٹی کو مسترد کر دیتی چونکہ سیاسی جماعتوں کا احتساب عوام کی طرف سے کیا جاتا تھا اور عوام کا احتساب مضبوط تھا ڈرپوک اور بزدل پارٹیاں عوام کے احتساب سے خوفزدہ ہو کر چپکے سے بیٹھی رہیں۔ جوں ہی ملک میں مارشل لاء نافذ ہوا سیاسی عمل مفقود ہو گیا، سیاسی جماعتوں کا عوام سے رابطہ ٹوٹ گیا۔ عوام کا سیاسی شعور سو گیا۔ تو عوامی احتساب بھی کمزور ہو گیا ایسے حالات میں پہلے ایک پارٹی کھسک گئی تحریک استقلال کے سربراہ ایئر مارشل اصغر خان اتحاد سے علیحدہ ہوئے تو پورے ملک میں پھرے لیکن انہیں پذیرائی نہ ہوئی، پنجاب سرحد اور سندھ نے انہیں مسترد کر دیا۔ اس کے بعد نورانی صاحب نے علیحدگی کے لیے پر تولنے شروع کر دیئے۔ ہمیں معلوم تھا کہ تحریک اور جمعیت علماء پاکستان اتحاد سے الگ ہو جائیں گی کیونکہ انہوں نے مری میں نظر بندی کے ایام میں ہی اتحاد سے الگ ہونے کا منصوبہ بنا لیا تھا۔ نورانی میاں عوام کے احتساب کے خوف سے فی الفور علیحدگی سے گریز کرتے رہے۔ اور پی این اے سے علیحدگی میں پانچ ماہ لگا دیئے۔ چونکہ سیاسی عمل نہیں ہے اتحاد سے نکل گئی۔ اگر ملک میں مارشل لاء نہ ہوتا عمل جاری رہتا تو کسی کو بھی اتحاد سے الگ ہونے کی جرأت نہ ہوتی، جوں ہی عوام کا احتساب مضبوط ہو جائے گا یہ سیاسی پارٹیاں اپنے اپنے بلوں میں گھس جائیں گی اس میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں کہ عوام اب بھی ہمارے ساتھ ہیں۔ سیاسی عمل پہ پابندی اور عوام کا شعور ٹھنڈا ہو جانے کی وجہ سے ایسی پارٹیاں اتحاد سے الگ ہو گئی ہیں۔

سوال! آپ نے متوقع حکومت کو مارشل لاء کے تحت سول حکومت کا نام دیا ہے یہ تو ایسا ہی ہے جیسے کوئی کہے کہ رات کے زیر سایہ دن نکل آیا ہے۔ ؟

جواب بھٹو حکومت بھی تو مارشل لاء کے تحت چلتی

سخن پارے

بس اتنے پہ ہوا ہنگامہ دار و رسن پیدا
کرے آغوش میں کیوں آئینہ مہر درخشاں کو



رہی ہے۔ وہ سویلین ہوتے ہوئے بھی چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر بھی تھا۔ ہم مارشل لاء کے تحت حکومت میں فوجی تو نہیں بن جائیں گے۔ حقیقت یہ ہے کہ مارشل لاء بھی ہے اور سویلین بھی حکومت چلا رہے ہیں اور یہ سب کچھ عبوری دور کے لیے کیا جا رہا ہے۔ تاکہ ملک میں عام انتخابات کی راہ ہموار ہو۔

سوال: ملک جبکہ سنگین مسائل سے دوچار ہے لیے وقت میں سیاسی جماعتوں کے سربراہوں کا حکومت میں شمولیت سے گریز کیا یہ ظاہر نہیں کرتا کہ آپ لوگ بی ٹیم کو قربانی کا بکرا بنا رہے ہیں تاکہ اگلے انتخابات میں آپ لوگ سرخرو ہوں؟

جواب: یہ تو ہماری مرضی ہے کہ ہم جسے چاہیں حکومت میں بھیجیں میں خود ایسی حکومت میں ضرور شرکت کروں گا جو آئین کے تحت انتخابات جیت کر آئے۔ اور عوام کی صحیح معنوں میں منتخب حکومت ہو میرے مزاج کے خلاف ہے کہ میں غیر منتخب حکومت میں شریک ہوں۔ میرے جو ساتھی جانا چاہتے ہیں جائیں جو نہیں جانا چاہتے نہ جائیں میں کسی کو مجبور نہیں کرتا۔ اگر ایک ساتھی کہتا ہے کہ میں بھی نہیں جاتا تو مجھے خوشی ہوگی بہر حال ان باتوں سے قطع نظر میرا ذاتی خیال ہے کہ ایک جماعتی فیصلہ ہے۔ جس کا احترام کرنا ہوتا ہے۔ میں جمہوری اصولوں کے تحت اپنی جماعت کے فیصلے کا احترام کرتا ہوں جماعتی فیصلہ مقدم ہے میں اپنی ذات کے لیے کم از کم اتنا حق ضرور رکھتا ہوں کہ اپنے مزاج کے مطابق حکومت میں شامل نہ ہوں۔

سوال: آپ نے قومی اتحاد کے وزراء کی باگ ڈور جو اپنے ہاتھ میں رکھی ہے کہ جب چاہے اس حکومت سے واپس بلا لیں تو کیا ایسی کسی صورت میں ملک کو آپ ایک نئے اور سنگین سیاسی بحران سے دوچار نہیں کر دیں گے۔

جواب: اگر ایسے حالات پیدا ہو جائیں تو ہم وہی کچھ کریں گے جو ملک و قوم کے مفاد میں ہوگا۔

سوال: کیا یہ بات آپ کے نوٹس میں ہے کہ بھٹو حکومت کے خلاف تحریک میں حصہ لینے والے کارکنوں کے خلاف جو مقدمات قائم کئے گئے تھے وہ اب بھی چل رہے ہیں۔

جواب: ہمیں اس بات کا علم ہے۔ ہم انشاء اللہ جلد ہی مقدمات واپس لے لیں گے۔

سوال: ایسے بیوروکریٹس جو بھٹو کے مظالم میں معاون تھے اب بھی کلیدی آسامیوں پر فائز ہیں۔

جواب: ہم کہتے ہیں جہاں سیاسی لوگوں کا محاسبہ کیا جا رہا ہے وہاں ان لوگوں کا محاسبہ بھی کیا جائے۔ پاکستان کو سیاست دانوں سے زیادہ بیوروکریسی نے نقصان پہنچایا۔

سوال: پیپلز پارٹی سے تعلق رکھنے والے سیاسی لیڈروں کو پی این اے میں سیاسی پناہ کیوں دی جا رہی ہے۔ اس سے قومی اتحاد کے کارکنوں میں مایوسی پھیل رہی ہے۔

جواب: جو لوگ بھٹو کے مظالم میں معاون رہے ہیں ہم انہیں اتحاد میں شامل نہیں کریں گے میں کہتا ہوں کہ ان لوگوں کے لیے راوی کی لہریں ہیں۔ انہیں راوی کے سپرد کر دو۔ پیپلز پارٹی میں تیسرے درجے کے لوگ جو مظالم میں شریک نہیں تھے انہیں قبول کیا جائے۔

سوال: کیا وجہ ہے کہ ہر سیاسی بحران کے نتیجہ میں ملک میں مارشل لاء لگ جاتا ہے کیا مارشل لاء کے نفاذ میں سیاست دانوں پہ ذمہ داری ڈالی جا سکتی ہے۔؟

جواب: دراصل پاکستان میں مسلسل انتخابات کرانے کا انتظام نہیں ہوا۔ قوم کو اختیار ہونا چاہیئے کہ وہ بیلٹ کے ذریعے ہر پانچ سال بعد اپنی پسند کی پارٹی کو اقتدار میں لا سکے۔ بھارتی عوام نے بیلٹ پیپر کے ذریعے ایک با اختیار وزیر اعظم کو تبدیل کر دیا۔ جہاں بیلٹ کا تقدس مجروح ہوتا ہے وہاں بالآخر مارشل لاء آتا ہے اگر یہاں پہ بھی ہر پانچ سال آزادانہ انتخابات ہوں تو سیاسی بحران پیدا نہیں ہوگا اور مارشل لاء لگنے کا جواز نہیں ہوگا۔

سوال: آپ کے خیال میں اس وقت ملک کا اہم مسئلہ کیا ہے!

جواب: اسلامی نظام کا نفاذ ہی سب سے اہم مسئلہ ہے۔ ہم اسلامی نظام کے لیے ۳۱ برس سے ترس رہے ہیں۔ ہم نے قوم سے اسلامی نظام قائم کرنے کا وعدہ کر رکھا ہے ہم نے اسلامی معاشرہ قائم کرنا ہے۔ اسلامی تعزیرات سے زیادہ اسلامی اخلاق پر زور دینا پڑے گا۔ لوگوں کو اسلامی تعزیرات سے ڈرانے کی بجائے اسلامی اخلاق پیدا کرنے کی توجہ دینی چاہیئے۔

بشکریہ چٹان

> اگر شامل نہ در پردہ کسی کی آرزو ہوتی
> تو پھر اے زندگی ظالم نہ میں ہوتا نہ تو ہوتی

صاحبزادہ حضرت عبدالہادی دینپوری رحمۃ اللہ علیہ کی رحلت

حضرت مولانا عبدالہادی صاحب سجادہ نشین درگاہ عالیہ دین پور شریف بقضائے الہٰی ۱۹ رمضان المبارک کی رات بوقت ۱۲ بجکر پچاس منٹ پر داعی اجل کو لبیک کہتے ہوئے اپنی جان جان آفرین کے حوالہ کر دی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ حضرت صاحب موصوف کافی عرصہ سے صاحب فراش تھے لیکن ذکر الہٰی میں مشغولیت میں ان کی مثال نہیں ملتی۔ گزشتہ چند دنوں سے بہت زیادہ تکلیف ہوئی تو رحیم یار خاں میں حضرت صاحب مرحوم کے معالج ڈاکٹر اختر صاحب کے مکان پر علاج کی غرض سے تشریف لائے۔ عقیدت مندوں کا ہجوم رہتا تھا۔ حضرت میاں سراج احمد، حضرت میاں جلیل احمد صاحب، میاں انیس احمد صاحب جو کہ حضرت صاحب کے صاحب زادے ہیں اور حضرت میاں مسعود احمد میاں ریاض احمد صاحب کے علاوہ مولانا غلام ربانی صاحب مولانا قاری حماد رشد صاحب، مولانا رشید احمد لدھیانوی، مولانا غلام مصطفیٰ صاحب حضرت صاحب کی خدمت کرتے رہے لیکن زندگی نے وفا نہ کی آخر داعی اجل کو لبیک کہا اور حضرت صاحب نے جب روح قفس عنصری سے پرواز کی تو آپ کی میت کو دین پور شریف میں لائی گئی۔ آپ کی وفات کی خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔ جس شخص کو بھی حضرت کی وفات کا علم ہوا اس پر ایک عجیب کیفیت طاری ہو جاتی تھی۔ خانپور شہر بند ہو گیا عقیدت مندوں، مریدوں کے علاوہ ہر مکتبہ فکر کے لوگ جنازہ میں شریک ہونے کے لیے قطار در قطار آ رہے ہیں۔ سوزوکیاں، موٹر کاریں، موٹر سائیکل، سائیکل، ٹرکوں اور ریلوں [illegible] کے ذریعہ لوگ دین پور شریف پہنچ رہے ہیں۔ حضرت امیر مرکز مولانا محمد عبداللہ صاحب درخواستی غمزدہ آواز میں جنازہ کا اعلان فرما رہے تھے۔ لوگ آخری دیدار کرنے کے لیے قطاروں میں کھڑے انتظار کر رہے ہیں۔ آخر پونے پانچ بجے حضرت صاحب مرحوم کی میت کو عید گاہ میں لایا گیا اور پانچ بجے حضرت مرحوم کی نماز جنازہ ادا کی گئی۔ نماز جنازہ حضرت صاحب کے بڑے صاحبزادے اور جانشین حضرت میاں سراج احمد صاحب دین پوری نے پڑھائی۔ ان کے جنازہ میں کم و بیش ایک لاکھ سے زیادہ افراد نے شرکت کی۔

جنازہ میں ممتاز شخصیتیں

حضرت امیر مرکز کے علاوہ مولانا عبیداللہ صاحب جانشین شیخ التفسیر حضرت لاہوریؒ، تنظیم اہلسنت والجماعت کے صدر اور جنرل سیکرٹری مولانا عبدالستار خاں صاحب، مولانا محمد ضیاء القاسمی جمعیۃ علماء اسلام کے جنرل سیکرٹری مولانا نور الحق قریشی، مجلس ختم نبوت کے مولانا عزیز الرحمٰن جالندھری اور مولانا خدا بخش، مولانا غلام ربانی، مولانا رشید احمد لدھیانوی، مولانا حماد اللہ شفیق کے علاوہ ہزاروں علماء کرام نے شرکت کی۔

حضرت دین پوری کی وفات پورے عالم کی وفات ہے۔ حضرت مولانا غلام ربانی امیر جمیعۃ ضلع رحیم یار خاں، مولانا غلام مصطفیٰ جنرل سیکرٹری ضلعی جمیعۃ، مولانا قاری حماد اللہ شفیق ناظم ضلعی جمیعۃ، مولانا شفیق الرحمان درخواستی نائب امیر ضلعی جمیعۃ، مولانا رشید احمد لدھیانوی جنرل سیکرٹری جمیعۃ رحیم یار خاں حاجی عبدالرحمان طارق امیر جمیعۃ رحیم یار خاں نے اپنے مشترکہ بیان میں حضرت دین پوری مرحوم کی وفات پر گہرے رنج والم کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ حضرت مرحوم کی وفات پورے عالم کی موت ہے۔ کیونکہ حضرت صاحب دین پور شریف میں ایک عظیم روحانی، دینی اور سیاسی رہنما تھے جن سے آج محروم ہو گئے۔ اور مرحوم کی مغفرت کی گئی اور پسماندگان کے لیے صبر جمیل کی دعا کی گئی۔

ہر سطح پر رابطہ کمیٹیاں قائم کی جائیں گی

مولانا زاہد راشدی

پاکستان قومی اتحاد پنجاب کے جنرل سیکرٹری مولانا زاہد راشدی نے گزشتہ روز کمہار منڈی ملتان میں قومی اتحاد کے کارکنوں کے ایک اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے ان پر زور دیا کہ وہ سول حکومت کو کامیاب بنانے کے لیے سرگرمی سے جدوجہد کریں۔ آپ نے بتایا کہ پورے صوبہ میں ہر سطح پر قومی اتحاد کی تنظیم نو کی جائے گی اور عوامی مسائل کے حل کے سلسلہ میں رابطہ کمیٹیاں قائم کی جائیں گی۔

آپ نے کہا کہ کارکنوں کے مسلسل فیڈ ورک اور عوامی مسائل کے حل کی طرف ٹھوس اور عملی پیش رفت کے بغیر سول حکومت کے قیام کا مقصد پورا نہیں ہو سکے گا۔

جمیعت علماء اسلام تحصیل خانیوال کا انتخاب

امیر۔ حضرت مولانا عبدالغفور صاحب دہاڑی موڑ کچا کھوہ۔

نائب امیر۔ حضرت مولانا محمد رمضان صاحب خانیوال۔

نائب امیر(۲) حضرت مولانا محمد شریف صاحب ماہی تمبیذ۔

ناظم عمومی۔ محمد یوسف رحمانی میاں چنوں

ناظم۔ راؤ محمد اسلم صاحب خانیوال

خزانچی۔ حضرت مولانا محمد شاہ عالم صاحب خانیوال۔

ناظم نشریات: حکیم محمد عالم صاحب جاوید خانیوال۔

سالار۔ حاجی نذیر احمد صاحب۔

ارکان مجلس شوریٰ

مولانا امان اللہ صاحب کچا کھوہ، مولانا بشیر احمد صاحب کچا کھوہ، حاجی اللہ رکھا صاحب میاں چنوں، حافظ عبدالحق صاحب میاں چنوں، مولانا محمد حسن صاحب خانیوال، صوفی مہدی خان خانیوال، مولانا محمد یوسف صاحب جہانیاں، مولانا عبداللطیف صاحب تلمبہ، پیر سید مہتاب شاہ صاحب چک لیواں والا، حاجی فرزند علی صاحب چک نمبر ۱۳ جہانیاں، ملک عبدالمجید تلمبہ، حکیم رشید احمد صاحب بھیل میاں چنوں۔

ضلع بہاولنگر

گزشتہ دنوں جمیعت علماء اسلام ضلع بہاولنگر کی مجلس شوریٰ کا اجلاس دفتر جمیعت علماء اسلام بخاری چوک چشتیاں میں زیر صدارت مولانا محمد شریف صاحب نائب امیر مرکزیہ منعقد ہوا۔

اجلاس میں ملکی اور علاقائی صورت حال پر غور و خوض کیا گیا اور مندرجہ ذیل قراردادیں منظور کی گئیں۔

(۱) پیر شریعت خانقاہ عالیہ دین پور شریف کے سجادہ نشین حضرت صاحبزادہ مولانا عبدالہادی صاحب کی وفات حسرت آیات پر گہرے رنج و غم کا اظہار کیا گیا اور ان کی وفات کو ملک و ملت کے لیے عظیم ناقابل تلافی نقصان قرار دیا۔ اللہ تعالےٰ مرحوم کو جنت الفردوس میں مقام اعلےٰ عطا فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے۔

(۲) مولانا محمد شریف صاحب ڈکو نائب امیر مرکزیہ کے جواں سال بھتیجے پروفیسر محمد طاہر کے موٹر ایکسیڈنٹ میں شہید ہونے پر گہرے رنج و غم کا اظہار کیا گیا اور بلندی درجات کی دعا کی گئی۔

(۳) مولانا محمد اشرف صاحب فاروق آباد والوں کے جواں سال فرزند ارجمند قائد اعظم میڈیکل کالج کے طالب علم اچانک دو دن بخار میں مبتلا ہونے سے وفات پا گئے۔ اللہ تعالےٰ مرحوم کو مقام اعلےٰ عطا فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے۔

(۴) موجودہ شدید بارشوں اور سیلاب کی تباہ کاریوں کی وجہ سے ضلع بہاولنگر کو آفت زدہ علاقہ قرار دیا جائے۔

(۵) ضلع بہاولنگر کے متاثرین کی بحالی کے لیے معقول بندوبست کیا جائے اور انہیں بلا سود قرضے دیے جائیں۔ اور برسیمی نالے اور نہریں بنائی جائیں تاکہ ضلع بہاولنگر تباہ کاریوں سے محفوظ رہ سکے۔

آخر میں حضرت مفتی محمود صاحب کی قیادت پر مکمل اعتماد کا اظہار کیا گیا اور ان کی صحت کے لیے دعا کی گئی۔

حاجی اللہ دتہ بٹ کے لئے دعائے صحت

جمیعت علماء اسلام گکھڑ ضلع گوجرانوالہ کے امیر اور بٹ دری فیکٹری کے مالک حاجی اللہ دتہ بٹ کافی عرصہ سے صاحب فراش ہیں۔ قارئین سے درخواست ہے کہ ان کی صحت کاملہ و عاجلہ کے لیے دعا فرمائیں۔

—— (ادارہ)

مولانا زاہد الراشدی کو ھدیہ تبریک

جمیعت علماء اسلام کے مرکزی ناظم مولانا زاہد الراشدی کو اللہ رب العزت نے عید الفطر کے روز ننھا منا سا فرزند مرحمت فرمایا ہے جس کا تاریخی نام "ناصر الدین خان عامر" تجویز کیا گیا اس سے قبل راشدی صاحب کے چھوٹے بھائی قاری محمد اشرف خان ماجد کو اللہ تعالےٰ نے جمعۃ الوداع کے روز فرزند عطا فرمایا ہے جس کا نام "عبدالمؤمن خان اکرم" رکھا گیا ہے۔ ادارہ ترجمان اسلام اس دوہری خوشی پر مولانا زاہد الراشدی اور ان کے والد محترم شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر مدظلہ کی خدمت میں ھدیہ تبریک پیش کرتا ہے اور دعا گو ہے کہ اللہ تعالےٰ دونوں بچوں کو نیکی، صحت اور علم و عمل کے ساتھ طویل عمر عطا فرمائیں۔

—— (ادارہ)

قرارداد تعزیت

گورنمنٹ انٹر کالج حاصل پور کے لیکچرار جناب طارق نذیر صاحب اور ان کے رفقاء نے جناب محمد طاہر لیکچرار گورنمنٹ رضویہ ڈگری کالج کی المناک شہادت پر گہرے دکھ کا اظہار کیا ہے۔

انہوں نے کہا کہ طاہر صاحب کا وجود بہاولنگر کے علاقہ کے لیے ایک نعمت سے کم نہ تھا۔ مرحوم تبلیغی سرگرمیوں میں اور دینی غیرت میں ایک ممتاز مقام رکھتے تھے۔

آخر میں انہوں نے دعا کی کہ اللہ تعالےٰ ان کو بلند درجات عطا فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔



جمعیتہ علماء اسلام خانیوال کی مجلس شوریٰ کا ایک ہنگامی اجلاس

گزشتہ دنوں جمعیتہ علماء اسلام خانیوال کی مجلس شوریٰ کا ایک ہنگامی اجلاس زیر صدارت مولانا محمد رمضان آزہر صاحب منعقد ہوا۔ اجلاس میں چوہدری محمد اصغر سردھا جنرل سیکرٹری نے مندرجہ ذیل قرار دادیں پیش کیں جسے تمام اراکین مجلس نے مکمل اتفاق رائے اور پرزور حمایت سے منظور کیا۔

۱۔ جمعیتہ علماء اسلام خانیوال امام سیاست و قائد جمعیت مولانا مفتی محمود صاحب صدر پاکستان قومی اتحاد کی قیادت سیاسی تدبر اور فیصلوں پر مکمل اعتماد کا اظہار کرتی ہے اور ملکی و قومی مفاد کی خاطر قومی اتحاد کی حکومت میں شمولیت اور اعانت کے فیصلے کو بے حد سراہتی ہے۔

۲۔ پاکستان قومی اتحاد کی جانب سے حکومت میں شامل تمام وفاقی وزراء کی قیادت وصلاحیت پر بھرپور اعتماد کا اظہار کرتی ہے۔

۳۔ خانیوال کے مقامی سول اور میونسپل حکام سے گزارش ہے کہ وہ صحیح معنوں میں عوام کی خدمت کریں۔ وہ اپنے رویہ میں تبدیلی کریں اور عوام کی جائز شکایات کا فوری ازالہ کریں۔

۴۔ واپڈا اور محکمہ خوراک کے حکام کو واضح طور پر آگاہ کیا جاتا ہے کہ وہ اپنے فرائض دیانتداری سے سرانجام دیں۔ عوام کی شکایات کا فوری ازالہ کریں۔ محکمہ خوراک کے ڈپو ہولڈرز کی کڑی نگرانی کرے اور خانیوال میں آٹے کا راشن پورا دیا جائے۔ ہم حکومت سے مطالبہ کرتے ہیں کہ خانیوال جو کہ درجہ اول کا میونسپل شہر ہے۔ اربن ایریے کے مطابق پورا راشن تقسیم کیا جائے۔

۵۔ خانیوال میں گندم کا بھاؤ جو تقریباً ۵۲ روپے فی من تک پہنچ چکا ہے کو کنٹرول کیا جائے اور ذخیرہ اندوزوں کا محاسبہ کیا جائے۔

قرار دادیں ضلع جہلم

(۱) آج مورخہ ۲۶ رمضان مطابق یکم ستمبر شہر جہلم و مضافات کی جامع مساجد میں جمعتہ الوداع کا یہ عظیم اجتماع گزشتہ ۲۱ رمضان مطابق ۲۷ اگست کو یوم علیؓ کے سلسلہ میں اہل شیعہ کے جلوس نے مساجد اہل سنت جامع مسجد گنبد والی اور جامع مسجد خاتم النبیین کے سامنے افسران کی موجودگی میں نہایت اشتعال انگیزی کی اور زور زور سے ماتم کیا اور اختلافی نعرے لگائے جس سے نہ صرف مساجد کی بے حرمتی ہوئی بلکہ مذہب اہل سنت کی توہین اور حضرات خلفائے راشدین خصوصاً خلفائے ثلاثہ خلیفہ اول حضرت ابوبکرؓ صدیق، خلیفہ دوم حضرت عمر فاروقؓ، خلیفہ سوم حضرت عثمان غنیؓ ذوالنورین کی تردید کی گئی۔ کے خلاف شدید احتجاج کرتا ہے اور مطالبہ کرتا ہے کہ فرقہ وارانہ فضا جو پہلے ہی سے تبدیلی کلمہ اسلام اور بزرگ صحابہ اور امہات المومنین کے خلاف تحریرات اور ازواج مطہرات حضرات خلفائے ثلاثہ کے بارہ میں تردیدی جلسے سپیکر پر روزانہ کیے جاتے ہیں کی وجہ سے مکدر رہتی ہے۔ اس قسم کی صریح خلاف ورزی کا ارتکاب کرنے والوں کے خلاف کارروائی کی جاوے۔

۲۔ یہ اجتماعات مطالبہ کرتے ہیں کہ نئی حکومت جو نظام مصطفےٰ کی خاطر بنی ہے پہلا کام یہ کرے کہ کلمہ اسلام جس پر تمام اسلام کی عمارت استوار ہوتی ہے اور اس کے بغیر آدمی مومن اور مسلم نہیں کہلا سکتا۔ کا یقین اور تحفظ کرے۔ اور کلمہ اسلام لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ میں کمی بیشی کو قانوناً جرم قرار دے۔

۳۔ آج مورخہ ۲۵ اگست ۱۹۷۸ء مطابق ۱۹ رمضان المبارک ۱۳۹۸ھ شہر جہلم و مضافات کی جامع مساجد میں جمعہ کے روز کے اجتماعات ایک غریب سنی مسلمان خوشی محمد کے گھر پر ریٹائرڈ ڈی ایس پی وجیہہ الحسن زیدی کا اپنے بیٹوں اور دیگر چند باوردی افراد سمیت شب کو حملہ کر کے ان کو زدوکوب کرنا اور خوشی محمد کے بیٹے بھانجے اور جوان سال بیٹوں اور دو چھوٹے معصوم بچوں کو اغوا کر کے لے جانے کی سخت مذمت کرتا ہے۔ اور اس کے خلاف شدید غیض وغضب کا اظہار کرتا ہے اور حکومت سے مطالبہ کرتا ہے کہ اس دردناک واقعہ کی نوعیت ایسی ہے کہ اس کیس کو ملٹری کورٹ کے سپرد کیا جائے اور تمام مجرموں کو جنہوں نے اس ماہ مبارک رمضان شریف میں اس بربریت اور درندگی کا مظاہرہ کیا ہے۔ گرفتار کر کے قرار واقعی سزائیں دی جائیں۔ نیز نوجوان لڑکیاں اور معصوم بچوں کو ابھی تک دستیاب نہیں ہو سکے جلد از جلد برآمد کیا جائے۔ خیال ہے کہ اس واقعہ میں چند باوردی آدمیوں کا اور وجیہہ الحسن زیدی کے بیٹے کرنل سید زیدی کی شرکت نے عوام میں بجا طور پر اضطراب پیدا کیا ہے۔ جمعہ کا یہ اجتماع حکام بالا سے توقع رکھتا ہے کہ فوری کارروائی کر کے مظلوموں کی دادرسی کریں گے۔

(نوٹ) احسن زیدی کے علاوہ باقی ملزم گرفتار کیے جا چکے ہیں اور عورتیں برآمد ہو چکی ہیں۔

اظہار تعزیت

جمعیت علماء اسلام واصو آستانہ کے امیر حافظ محمد نواز نائب امیر حافظ فیض الرحمان اور ناظم اعلیٰ حافظ نور محمد نے جمعیت علماء اسلام کے بانی حضرت مولانا عبدالہادی کی وفات پر گہرے رنج وغم کا اظہار کیا اور دعا کی کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کو اپنے جوار رحمت میں جگہ عطا فرمادے اور انکے لواحقین کو صبر جمیل عطا فرماوے۔ آمین۔

سیٹھ جعفر زمیندار علاقہ ٹاہلی کے بھائی جناب زاہد حسین صاحب کا بازو بنار کی وجہ سے سوکھ گیا ہے۔ احباب اور قارئین ترجمان اسلام سے درخواست ہے کہ ان کے بازو کی صحت یابی کے لیے دعا کریں۔



بزمِ بخاری :

ٹوبہ ٹیک سنگھ : تحریکِ آزادیٔ برصغیر پاک و ہند کے نامور مجاہد امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے موسوم تنظیم "بزم بخاری" کے انتخابات گذشتہ روز یہاں منعقد ہوئے اور متفقہ طور پر ٹوبہ ٹیک سنگھ کی بزرگ دینی اور روحانی شخصیت استاذ العلماء حضرت مولانا قاری حبیب اللہ لدھیانوی کو سرپرست، بابو محمد شریف احرار کو صدر اور مسٹر عبدالمجید انور کو "بزم بخاری" کا سیکرٹری منتخب کرلیا گیا۔ دیگر عہدیدار حسبِ ذیل ہیں :-

نائب صدر : حافظ مہر محمد

پبلسٹی سیکرٹری : ظفر اقبال پاشا

خزانچی : قاضی نعیم احمد سرہندی

ارکان مجلس عاملہ میں مولانا محمد عمر لدھیانوی مولانا محمد عبداللہ لدھیانوی۔ پیر محمد صدیق لدھیانوی صوفی ملک محمد صدیق عتیق۔ حاجی گل محمد۔ حاجی عبدالکریم۔ چودھری محمد نجیب اور احمد یعقوب چودھری شامل ہیں۔

دریں اثنا "بزم بخاری" کے غیر رسمی اجلاس میں ایک قرارداد کے ذریعے عبوری حکومت کے سربراہ جنرل محمد ضیاء الحق سے اپیل کی گئی کہ

احترامِ رمضان کا قانون جاری کیا جائے :

لاڑکانہ : سرپرست جمعیۃ علماء اسلام ضلع لاڑکانہ مولانا علی محمد صاحب حقانی۔ رابطہ سیکرٹری جمعیۃ علماء اسلام ضلع لاڑکانہ مولانا اللہ بخش عباسی اور جنرل سیکرٹری جمعیۃ علماء اسلام لاڑکانہ سٹی لالہ عبدالرحیم نے اپنے مشترکہ بیان میں چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کی نشری تقریر کا خیر مقدم کیا ہے جس میں رمضان المبارک کے موقع پر بناسپتی گھی کی قیمت میں کمی کی گئی ہے اور دیگر اشیائے ضرورت کی قیمتوں کو نہ بڑھانے اور بڑھانے کی صورت میں سخت کارروائی کرنے کا حکم جاری کیا ہے۔ اور مطالبہ کیا ہے کہ احترام رمضان المبارک کا مشورہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا لہٰذا احترام رمضان کا قانون نافذ کیا جائے۔ اور اس پر سختی سے عمل کرایا جائے۔

مشترکہ بیان میں کہا گیا ہے کہ لاڑکانہ میں بناسپتی گھی کی مصنوعی قلت ہے اور عوام سخت پریشان ہے اور متعلقہ افسران ان کی پریشانی سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ اس لئے مطالبہ کیا جاتا ہے کہ ان بدطینت افسروں کے خلاف جن میں مہندو تحصیلدار بھی ہے سخت کارروائی کرکے ان کو سبق سکھایا جائے جو اس ماہ مبارک میں بھی اپنے سابقہ کردار سے باز نہیں آتے۔

جدوجہدِ آزادیٔ ہند میں حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی شاندار خدمات کے پیش نظر ۲۱ اگست کو ہر سال ان کا یوم وفات سرکاری سطح پر منانے کے بارے میں اقدامات کئے جائیں۔ قومی ذرائع ابلاغ ریڈیو اور ٹی۔ وی سے اس موقع پر خصوصی پروگرام پیش کئے جائیں جن میں بخاری مرحوم کے دینی اور ملی کارناموں کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کیا جائے پاکستان نیشنل سینٹر کے اربابِ اختیار کو ہدایت کی جائے کہ وہ اس سلسلہ میں خصوصی مجالس ہائے مذاکرہ کے انعقاد کا بندوبست کریں۔

آزادیٔ صحافت کے نام پر پیپلز پارٹی کی غنڈہ گردی کب ختم ہو گی؟

کراچی : (پ۔ ر) جمعیۃ علماء اسلام لیاری کے رہنما امیرزادہ خان سواتی نے ایک بیان میں کہا کہ گذشتہ تین روز سے روزانہ شام کو ریگل صدر پر پیپلز پارٹی کے کارکن نام نہاد صحافیوں اور آزادیٔ صحافت کے نام پر جمع ہو رہے ہیں ان افراد کا صحافت جیسے مقدس پیشہ سے دُور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔ اس کے باوجود کراچی پولیس کے اعلیٰ حکام نے ان غنڈوں کو کھلی چھوٹ دے رکھی ہے۔

اس وقت جبکہ سیاسی مظاہروں وغیرہ پر مکمل پابندی ہے اس قسم کی غیر قانونی حرکات عبوری حکومت کے لئے چیلنج ہیں۔ انتظامیہ کو چاہئے کہ اس سلسلہ میں سختی کرے اور پریس کلب کو بھی غیر صحافتی افراد سے خالی کرائے۔

مینگل صاحب کی صحتیابی کے لئے دُعا :

جمعیۃ طلباء اسلام بلوچستان کے سیکرٹری جنرل جناب غلام رسول مینگل ایک سال سے بیمار ہیں۔ کافی علاج کے باوجود مینگل صاحب کی صحت ٹھیک نہیں ہوئی۔ آپ نے سلیمان اطہر صاحب کو قائمقام سیکرٹری جنرل مقرر کیا ہے۔

جمعیۃ طلباء اسلام ژوب بلوچستان کے سرگرم کارکن سید عبدالمبین شاہ بخاری نے جمعیۃ کے تمام رہنماؤں اور کارکنوں سے مینگل صاحب کی مکمل اور جلد صحت یابی کے لئے دُعا کی اپیل کی ہے۔

امدادی سرگرمیاں :

جھنگ : جمعیۃ کے ممتاز رہنما داسو آستانہ کے میاں مہدی حیات چیلہ نے موضع پورہ حسین آباد وغیرہ کے بارش زدہ عوام میں کھانا تقسیم کیا۔ جمعیۃ کی طرف سے ددڈ سپنسریوں کا قیام عمل میں آیا جس کے لئے جمعیۃ جھنگ کے سیکرٹری جنرل حکیم مولانا محمد یاسین ایڈیشنل سیکرٹری حکیم مولانا محمد شفیع نے اپنی خدمات پیش کیں۔ سیکرٹری نشر و اشاعت چوہدری محمد عقیل ضیاء نے اپنے ایک مشترکہ بیان ضلعی۔ صوبائی اور مرکزی حکومت کی توجہ اس طرف دلائی کہ بارشوں اور سیلاب کے پانی سے شہروں اور دیہاتوں کی آبادی اور فصلوں وغیرہ کو بچانے کے لئے مستقل طور پر منصوبے بنائے جائیں۔ پانی کے نکاس پر خصوصی توجہ دی جائے۔ پلیاں وغیرہ تعمیر کی جائیں تاکہ پانی کسی ایک علاقہ میں جمع ہوکر تباہی نہ کرسکے۔ ضلع جھنگ میں فصلوں، املاک اور مکانات کے نقصان کا تخمینہ لگاکر معاوضہ اور

بلاسود قرضوں کی ادائیگی فراہمی

حضرت دین پوری رحمۃ اللہ علیہ کی وفات عالم اسلام کا عظیم نقصان ہے

جمیعتہ طلباء اسلام پاکستان کے مرکزی صدر میاں محمد عارف نائب صدر ندیم اقبال اعوان ناظم عمومی محمد فاروق قریشی اور جاوید ابراہیم پراچہ اجمل قادری، ظہیر میر نے ایک مشترکہ بیان میں حضرت دین پوری کی وفات پر گہرے رنج وغم کا اظہار کرتے ہوئے کہا ہے کہ حضرت دین پوری کا وجود ملک کے لیے باعثِ رحمت تھا۔ وہ ان عظیم ہستیوں میں سے تھے جنہوں نے فیضِ نظر سے ہزاروں دلوں کی دنیاؤں کو بدل دیا اور دلوں کو معرفت کے نور سے آشنا کیا۔ ان کی زندگی ایک مجاہد فی سبیل اللہ کی حقیقی تصویر تھی انہوں نے جہاں اہل اسلام کی باطنی اصلاح کی وہاں حریت اور آزادی کی تحریکوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ طالب علم رہنماؤں نے کہا کہ حضرت دین پوری کی وفات عالم اسلام کا خصوصاً اور جمیعتہ طلباء اسلام کا عظیم نقصان ہے۔ آخر میں دعا کی گئی کہ اللہ تعالےٰ مرحوم کو جنت الفردوس میں اعلےٰ درجات سے نوازے اور ہمیں ان کے نقشِ قدم پر زندگیوں کی تعمیر کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

زخمی دلوں کی آوازیں

۱۔ حضرت دین پوری نے برصغیر کے مسلمانوں کے لیے جو گرانقدر خدمات انجام دیں وہ تاریخ میں سنہری الفاظ سے لکھی جائیں گی۔ قوم ایک عظیم روحانی پیشوا اور عظیم محسن سے محروم ہو گئی۔ (حیدری بلوچ، ناظم نشریات بلوچستان)

۲۔ حضرت دین پوری کی وفات سے مسلمانانِ پاکستان ایک جید عالم اور مربی سے محروم ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان کی مذہبی خدمات کو مشعلِ راہ بنا کر استفادہ کی توفیق عطا فرمائے۔

(محسن جاوید راہی رکن تنظیمی کمیٹی پنجاب)

۳۔ حضرت دین پوری کی وفات سے جو خلاء پیدا ہو گیا ہے اسے دینی حلقوں میں شدت سے محسوس کیا جائے گا۔

(جمیعتہ طلباء اسلام بہاولنگر)

۴۔ آپ دکھی انسانیت کے غمخوار تھے، آپ کے پاس آکر ہر شخص دکھ اور غم بھول جاتا تھا ان کی تمام عمر حق کے پرچار میں گزری ان کی وفات پورے ملک کا عظیم نقصان ہے۔

(فضل الرحمٰن، سیف الرحمٰن، خالد بھٹی خانپور)

جمیعتہ طلباء اسلام کے رہنما کی وفاقی وزیر صحت سے ملاقات

جمیعتہ طلباء اسلام چانڈکا میڈیکل کالج لاڑکانہ کی سٹوڈنٹس یونین کے جوائنٹ سیکرٹری اور جمیعتہ طلباء اسلام کے راہنما مسٹر خالد محمود سومرہ نے سکھر سرکٹ ہاؤس میں وفاقی وزیر صحت میر صبح صادق کھوسو سے ملاقات کی اور انہیں چانڈکا میڈیکل کالج کے مسائل سے آگاہ کیا۔ میر صاحب نے میڈیکل کالج کے مسائل کو فوری حل کرنے کا یقین دلایا اور کہا عنقریب میں لاڑکانہ آکر میڈیکل کالج کے مسائل سے بچشم خود واقفیت حاصل کروں گا۔

جمیعتہ طلباء اسلام

بلوچستان کا تربیتی اجتماع

بتاریخ ۲۸، ۲۹ ستمبر

کو لورالائی میں ہوگا

احباب کثیر تعداد

میں شرکت کریں

گورنمنٹ کالج حاصل پور کی عمارت جلد تعمیر کی جائے

گزشتہ روز جمیعتہ طلباء اسلام نے حاصل پور میں ایک افطار پارٹی کا اہتمام کیا۔ جس سے مرکزی نائب صدر جناب ندیم اقبال اعوان نے خطاب کیا۔ اجلاس میں ایک قرارداد کے ذریعے مطالبہ کیا گورنمنٹ کالج حاصل پور کی عمارت جلد تعمیر کی جائے۔ سٹاف کی کمی کو پورا کیا جائے۔ سائنس کلاسوں کا اجراء کیا جائے۔

شبِ بیداری

رمضان المبارک کے آخری ایام میں جمعیتہ طلباء اسلام حاصل پور کے طلبہ نے جامع مسجد میں شب بیداری کا پروگرام ترتیب دیا جس میں طلبہ کی کثیر تعداد نے شرکت کی۔ اس موقع پر ندیم اقبال نے روزہ کی اہمیت اور روزہ کے فوائد پر تفصیل سے روشنی ڈالی اور طلبہ کے سوالوں کے جوابات بھی دیئے۔

شمولیت

جمیعتہ طلباء اسلام گوٹھ دین پور کے طالبعلم رہنماؤں گل محمد بروہی اور حضور بخش بروہی نے اپنے اپنے ساتھیوں سمیت پیپلز پارٹی سے تعلق توڑ کر باقاعدہ طور پر جمیعتہ طلباء اسلام میں شمولیت کا اعلان کیا ہے۔ جمیعتہ طلباء اسلام کے مقامی صدر عبدالحکیم پرواز اور نائب صدر محمد یوسف اور جنرل سیکرٹری خیر محمد مہروانی نے نئے شامل ہونے والوں کا خیر مقدم کیا۔

افطار کی تقریبات

۱- جمیعتہ طلباء اسلام ضلع ساہیوال کے زیر اہتمام جمعۃ الوداع کے موقع پر ایک شاندار افطار پارٹی کا اہتمام کیا گیا جس میں ندیم اقبال اعوان، محسن جاوید راہی اور رشید المتین چوہدری نے شرکت کی۔

۲- جمیعتہ طلباء اسلام ڈیرہ اسماعیل خان نے ایک افطار پارٹی کا اہتمام کیا جس میں صاحبزادہ فضل الرحمٰن صدر تنظیمی کمیٹی سرحد نے خطاب کیا اور معاونت سازی کی مہم تیز کر دینے کی تاکید کی۔

۳- جمیعتہ طلباء اسلام ضلع لاہور نے ۲۳ر اگست کو ایک افطار پارٹی کا اہتمام کیا جس میں طلبہ کی کثیر تعداد نے شرکت کی جس سے میاں محمد عارف، ندیم اقبال اعوان نے خطاب کیا۔

۴- جمیعتہ طلباء اسلام حلقہ رحمان پورہ (لاہور) میں کارکنوں کو افطار پارٹی دی جس سے خالد محمود ٹیپو، جمیل الرحمٰن اختر اور محمد ادریس نے خطاب کیا۔

۵- خانپور جمیعتہ طلباء اسلام کے مکی مسجد دین پوری کالونی میں ایک افطار پارٹی کا پروگرام بنایا جس میں طلبہ اور شہریوں کی کثیر تعداد نے شرکت کی۔ مولانا مشتاق احمد نے خطاب کیا۔

۶- جمیعتہ طلباء اسلام سکھر ڈویژن کی ورکنگ کمیٹی کے اعزاز میں جناب نذیر احمد بہلوار نگران جمیعتہ طلباء اسلام سکھر ڈویژن نے ایک افطار پارٹی ترتیب دی جس میں مولانا غلام قادر اور سید سراج احمد شاہ امروٹی نے شرکت کی۔

بلوچستان کی ضلعی شاخیں متوجہ ہوں

۱- جن اضلاع میں انتخاب ہو چکا ہے اس کی رپورٹ فوراً بھیجیں۔

۲- جن اضلاع میں انتخاب نہیں ہوئے وہ ۵ ار ستمبر سے قبل انتخابات کروائیں۔

۳- تمام اضلاع کی ماہوار کارکردگی رپورٹ جلد از جلد روانہ کریں۔ اور ماہانہ رپورٹ فارم صوبائی دفتر سے طلب کریں۔

(غلام رسول مینگل ناظم عمومی
جمیعتہ طلباء اسلام بلوچستان)

افتتاح دفتر

جمیعتہ طلباء اسلام لورالائی میں دفتر کا قیام عمل میں لایا گیا۔ دفتر کا افتتاح مولانا غلام قادر نے کیا۔ افتتاح کے موقع پر ایک جلسے کی دعوت کا اہتمام کیا گیا جس میں مولانا غلام قادر مولانا عبدالکریم، مولانا عبید اللہ شیخ الحدیث مدرسہ دارالعلوم اسلامیہ، مولانا عبدالعزیز مولانا امیر جان اور مولانا محمد عیسٰی نے بھی شرکت کی۔

انتخاب (حیدرآباد)

جمیعتہ طلباء اسلام حیدرآباد کا انتخابی اجلاس زیر صدارت جناب بشیر احمد قریشی صوبائی جنرل سیکرٹری صوبہ سندھ منعقد ہوا جس میں مندرجہ ذیل عہدیداران منتخب ہوئے۔

صدر۔ مقصود احمد، نائب صدر محمد سلیم شیخ جنرل سیکرٹری عبدالاحد شفیق، جنرل سیکرٹری محمد خالد سیکرٹری نشر و اشاعت محمد عثمان، خازن عبدالسلام قریشی۔

بعد ازاں عبدالسلام قریشی کو سندھ یونیورسٹی کا کنوینر مقرر کیا گیا۔

تنظیمی کمیٹیاں سندھ

۱- ضلع شکارپور

۱- دین محمد قریشی (رستم) کنوینر
۲- عبدالباری شیخ (معاون)
۳- رضا محمد سیٹھار (معاون)

۲- ضلع جیکب آباد

۱- عبدالحئی نوتاری کنوینر- ۲- عبدالغنی انصاری (معاون) ۳- عبید اللہ کوسہ (معاون)

۳ ضلع لاڑکانہ

۱- خان محمد چاچڑ (کنوینر)
۲- خالد محمود سومرو (معاون)
۳- زبیر احمد سومرو (معاون)

اہم ہنگامی اجلاس

جمیعتہ طلباء اسلام پاکستان کی مرکزی مجلس عاملہ اور تنظیمی کمیٹی پنجاب کا ۱۴، ۱۵، ۱۶ ر ستمبر کو لاہور میں ہونے والا اجلاس ملتوی کر دیا گیا ہے۔

اب یہ اجلاس ۲۱، ۲۲ ر ستمبر کو دفتر جمیعتہ طلباء اسلام پاکستان ۴ مرکزی شاہ عالم مارکیٹ لاہور میں صبح آٹھ بجے منعقد ہو گا۔

علاوہ ازیں جمیعتہ طلباء اسلام کی طرف سے وفاقی وزراء حاجی محمد زمان خان اچکزئی اور میر صاحب صادق کھوسو کے اعزاز میں ایک عظیم الشان استقبالیہ دیا جائے گا۔

مدعوئین حضرات پابندئ وقت کو ملحوظ خاطر رکھیں۔

محمد فاروق قریشی ناظم عمومی جمیعتہ طلباء اسلام پاکستان

دار العلوم اور مسائل

اِس عُنوان کے تحت ہم روزمرہ کے مسائل پر مراسلات شائع کرتے ہیں۔ ایڈیٹر کے نام خطوط خوشخط، مختصر اور صفحہ کے ایک جانب تحریر ہونے چاہئیں ایسے مراسلے شامل اشاعت نہیں ہوں گے جو کاغذ کے دو اطراف طویل اور جن پر مراسلہ نگار کا مکمل پتہ نہیں ہوگا۔ مراسلات اس پتہ پر بھیجیں: شعبہ دار العلوم و مسائل ہفت روزہ ترجمان اسلام چوک ...

جامع مسجد مکیہ کے صدر دروازے سے کنڈا ہٹایا جائے!

سنہ ۱۹۷۰ء میں بلدیہ میاں چنوں کے ایک ذمہ دار عہدیدار نے ذاتی عناد کی وجہ سے مسجد کی زمین خرید کر کنڈا نصب کر دیا اور جو بھی ٹرک یا دیگر سامان میاں چنوں آتے اس کا یہاں پر وزن کرایا جاتا ہے۔ اس طرح مسجد کے دروازے پر بعض اوقات اتنی بھیڑ اور اتنا شور ہوتا ہے کہ کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی اور بعض اوقات تو ان گاڑیوں میں لگے ہوئے ٹیپ ریکارڈوں کی آواز نمازیوں کے لیے سوہان روح بن جاتی ہے۔

اس کے بعد پیپلز پارٹی نے بھی اسے سیاسی ہتھکنڈے کے طور پر استعمال کیا۔ یہاں تک کہ حکام بالا کے احکامات بھی مقامی بلدیہ عہدیداران کے غلط ہتھکنڈوں کی نذر ہوتے رہے۔ ڈی سی ملتان عظمت اللہ صاحب اور اے سی خانیوال سلطان طارق اور فاروق ہارون کے اس کنڈے کو ہٹانے کے حکم کے باوجود چند عاقبت نااندیش سیاستدانوں اور اہل کاروں کی ملی بھگت سے یہ مسئلہ کھٹائی میں پڑا رہا۔

گزشتہ دنوں بلدیہ میاں چنوں نے کھسیانی بلی کھمبا نوچے کے مصداق آنریری مجسٹریٹ خانیوال کی عدالت میں یہ دعویٰ دائر کیا کہ مسجد کی کچھ زمین پر غلط قبضہ کیا گیا ہے اور جس جگہ پر کنڈا نصب ہے وہ بھی بلدیہ کی ملکیت ہے لیکن مجسٹریٹ نے فریقین کے دلائل سننے کے بعد ۲۶ جولائی ۱۹۷۸ء کو مولانا یوسف رحمانی کے حق میں فیصلہ دیا جس سے مسجد انتظامیہ کے موقف کی مزید تصدیق ہوئی۔

ہم نئی کابینہ کے متعلقہ مرکزی وزیر سے مطالبہ کرتے ہیں کہ بلدیہ میاں چنوں کو فوری طور پر کنڈا ہٹانے کے احکامات صادر کیے جائیں ورنہ حالات خراب ہونے کا اندیشہ ہے اور اس کے ذمہ دار مقامی اہلکار ہوں گے۔ (محمد یوسف رحمانی خطیب جامع مسجد مکیہ و دیگر اراکین)۔

چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کے نام

صاحب المفخامۃ، قائد عساکر پاکستان، آمین الامۃ زعیم الملت اسلامیہ، جنرل ضیاء الحق اطال اللہ عمرک السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، بہ صمیم قلب، اخلاص نیت وعزم بالجزم ونیابت موجزن احساسات کے ساتھ آپ کے افکار عالیہ و تعمیری خیالات کا مطالعہ کرتا رہا ہوں جو اس خط کے محرک ہیں۔ آپ شریعت اسلامیہ کے حدود، قیود و شروط کے تنفیذ میں مجاہدانہ تگ و دو میدان عمل میں کر رہے ہیں۔ اس کے لیے میں جناب کی خدمت میں چند مفید و منفعت بخش مشورے صمیم قلب سے پیش کرنے کی اجازت چاہتا ہوں۔

نہایت ہی مودبانہ عرض کرتا ہوں کہ اس خط کے ملتے ہی مجھے ملاقات سے مشرف فرمایئے: ”گر قبول افتد زہے عز و شرف“ انشاء اللہ العزیز میں عربی زبان و قرآن حکیم کے فہم و تعلیم و مذہبی امور میں ایسے علمی مشورے پیش کروں گا جس کا عملی تجربہ مجھے حاصل ہے۔

(۱) اگر آپ مجھ جیسے خادم سے عربی زبان کی خدمت لینا چاہتے ہیں تو انشاء اللہ پانچ برس کے اندر میں پوری قوم اور نونہال چمن کو اس کا گرویدہ بنا دوں گا۔ میرے پاس ۳۵ سال کا تجربہ، نفسیاتی عمل، ماضی کی عظمت رفتہ، حاضر کی افراتفری، مستقبل کی درخشندہ منزل، دور رس نگاہ میں موجود ہے۔

۲۔ عربی زبان پر مکمل عبور آسانی سے کرا سکتا ہوں، بشرطیکہ حکومت مؤثر طریقے سے تعاون اور حوصلہ افزائی کرے اور مجھے وہ آسانیاں فراہم کر دے جو پوری قوم کے لیے سودمند ثابت ہوں۔

۳۔ قرآن کی افہام و تفہیم گھروں میں اور سرحدوں پر بھی گونجتی رہے گی۔

۴۔ تمام مذہبی امور میں خدمت انجام دے سکتا ہوں اور جو معاشرتی برائیاں ہیں دین حق سے ہی دور کی جا سکتی ہیں۔ اور اس کا بہترین طریقہ عربی زبان اور قرآن حکیم کی تدریس عام

جا ہے۔

۵۔ کشمیر پاکستان کی ماں کی حیثیت رکھتا ہے یہ قدرتی خطہ ہمارا ہے، ہمارا ہی رہے گا اور ہمارا ہی ہوگا۔ اس سلسلے میں میری اس میں زبردستی دلچسپی ہے اس کے درست اسباب و وسائل عمل میں لانے کے لیے مجھے خاص مہارت حاصل ہے اور وہ دن دور نہیں ہے اگر ان وسائل کو بروئے کار لایا جائے تو یہ حسین و زرخیز خطہ ہمارا ہی ہوگا۔

۶۔ شریعت اسلامی میں مقنن اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکومت و خلافت کا دوسرا نام ”امانت“ رکھا ہے جو اس کے کل پرزے یا کارکن ہوتے ہیں۔ وہ امین کہلاتا ہے یا ”امناء“ کہلاتے ہیں۔ رحمۃ للعالمین کا فرمان ہے ―― ”انتم الامناء علی الارض“۔ ”تم اللہ کی زمین پر امانت دار، انصاف پسند، عامل، ترقی پسند حکمران و ذمہ دار پاسبان ہو۔

اس طرز حکمرانی کے علمبردار کو مقنن دوجہاں کی زبان مبارک کے اعلان سے ”دیانت“ کہلاتی ہے۔ دیانت ہی وہ علمی و عملی قرآن حکیم و کتاب مبین کا دستور العمل ہے جو براہ راست یہ ”دیانت“ کا علم قرآن حکیم و سنت سے اخذ کیا جاتا ہے۔ دلآویزی، لگن، جوش جذبہ راسخ العلمی اس کا لازماً جزو اعظم ہے۔ قرآن حکیم کی افہام و تفہیم ہی سے انسانی جوہر ہی جوہر قابل بن کر اجاگر ہوتا ہے۔ قرآن حکیم کی فہمی صرف عربی زبان و مختلف علوم و فنون سے پیدا ہوتی ہے۔ تب کہیں دیانت کا تقاضا پورا ہوتا ہے مقنن دوجہاں فرماتے ہیں۔ ”لا ایمان لمن لا امانۃ لہ“ جس شخص میں حکمرانی امانت کے ساتھ صلاحیت نہیں ہے وہ مومن و مرد کامل نہیں ہے۔ حیرت ہے جو عربی زبان و قرآن حکیم و سنت سے بے خبر ہیں۔ دیانت جس کا اصلی مادہ دین کے لفظ سے بھی لیا گیا ہے۔ دین کے معنی ہر وہ طرز فکر زبانی ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی کو آخری قانون و احکام دے کر ساری کائنات کی

طرف تنقید کرنے کے لیے بھیجا ہے۔ جو سراپا رحمت ہی رحمت، خوشحالی ہی خوشحالی بنی نوع انسان کے لیے مضمر ہے جس پہ نوع انسان چل کر دنیاوی زندگی کو امن کا گہوارہ و آخرت کو ابدی ٹھکانہ بنا سکتے ہیں۔

ہمارا پاکستان کا یا مقصد مفہوم بھی یہی تقاضا کرتا ہے۔ لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔

میں جناب کو یقین دلاتا ہوں کہ پاکستان کے کونے کونے میں عربی زبان پھیلادوں گا۔ گھر دل ہیں اس کا چرچا اور سرحدوں پہ قرآن کا ابدی یا مقصد سایہ رحمت منڈلاتا رہے گا۔ ایک چپراسی سے لے کر سربراہ مملکت تک اس کا چرچا ہونا لازمی ہے۔ فناما بنعمتہ ربک فحدث" اٹھو پیغمبر! دنیا میں قرآن کی نعمت و برکت سے ولولہ پیدا کرو۔

کوئی شخص بھی حکمرانی نہیں کر سکتا ہے جبکہ قرآن حکیم و رسول کی حدیث کی افہام وتفہیم پیدا نہ کرے یعنی عربی زبان پہ مکمل عبور نہ ہو۔ فقہ اسلامی میں گہری نظر نہ رکھتا ہو۔ سیرت النبی و خلفائے راشدین کی خلافت کا نمونہ نہ ہو منداول علوم بھی قرآن حکیم کی توسط سے پیدا ہوتے ہیں۔ سائنس کے علوم و فنون اس کے مفاہیم کو چوم چوم کر نوع انسان کو منسور کر رہے ہیں۔

گزشتہ تیس سال میں ایسا کوئی وزیر یا سربراہ مملکت نظر نہ آیا جو قرآن حکیم سمجھتا ہو۔ سمجھنا ہی کیا ناظرہ ہی پڑھتا ہو اور بڑے دکھ کی بات ہے عربی زبان کا ایک لفظ بھی بولتا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے حکمران سیاست دانوں نے حکومت کا مفہوم غلط سمجھ کر تجارت کی منڈی قرار دیا۔ دیانت و امانت کا مفہوم ان پر کبھی نہ ان کی ضمیر پہ واضح ہوا ہی نہیں۔ یہی وہ کمی ہے جس سے ہم آج کل دوچار ہیں۔ کوئی وزارت میں نہ آئے جبکہ وہ قرآن حکیم، حدیث رسول، فقہ اسلامی، قانون اسلامی نہ سمجھتا ہو۔ آخر یہ لوگ اسمبلی میں کیا کریں گے جو خدا اور رسول سے کوسوں دور ہوں اسے اسلامی قانون سے کیا واسطہ۔

میں آپ سے ایک بات کا متمنی ہوں وہ یہ ہے کہ عربی زبان قرآن حکیم حدیث شریف نفاق کی خدمت کے لیے اور امور مذہبی کی خدمت کے لیے موقع دیجئے۔ تاکہ پوری قوم مرد و زن کو اس سے آراستہ پیراستہ کر سکوں۔ آخر میری غرض و غایت علامہ اقبال مرحوم کے اس شعر پہ مبنی ہے جو انہوں نے قرآن سے اخذ کیا ہوا مفہوم اپنے ایک میں ادا کر رہے ہیں۔

گر تو می خواہی مسلمان زیستن
نیست ممکن جز بقرآن زیستن

(پروفیسر محمد اقبال خان ندوی
(فاضل ندوہ و دیوبند ایم اے (عربی، فارسی اسلامیات) ایل ایل بی۔
۷۔ انار کلی الجدید، لاہور

بلوچستان کے گریجویٹس

ہم آپ کی وساطت سے چند مسائل مارشل لاء حکام کے گوش گزار کرنا چاہتے ہیں۔

بلوچستان ایسے کم آبادی والے صوبہ میں ۲سو سے زیادہ گریجویٹ اور پوسٹ گریجویٹ نوجوان عرصہ ۲، ۳ سال سے بے روزگار ہیں لیکن بیوروکریسی اس طرف توجہ نہیں دے رہی۔ بلوچستان کے کالجز میں آرٹس و سائنس کے کئی لیکچراروں کی کئی آسامیاں خالی ہیں لیکن محکمہ تعلیم کے افسران بالا ان آسامیوں کو پُر کرنے کے لیے بلوچستان پبلک سروس کمیشن والوں کو اعلان کرنے کے لیے دیتے ہیں اور نہ ہی خود ایڈہاک بنیاد پہ بھرتی کرتے ہیں۔ دوسرے محکموں کا بھی یہی حال ہے۔ محکمہ تعلیم اور دوسرے محکموں میں بیوروکریسی کے کئی افسروں نے ۲، ۲ عہدے اپنے قبضے میں رکھے ہیں جو کہ سراسر زیادتی اور ناانصافی ہے۔

ہم حکومت بلوچستان اور جنرل محمد ضیاء الحق سے مطالبہ کرتے ہیں کہ ہر محکمے کی آسامیوں کا اعلان فوری طور پہ کیا جائے۔ اور ایسے تمام عہدیداروں سے جن کے پاس دو دو عہدے ہیں ایک عہدہ واپس لے لیا جائے اور ایسے تمام افسران کو جو کہ اپنے بڑھاپے کی وجہ سے کام کرنے کے قابل نہیں رہے ہیں ان کو پنشن دے کر ریٹائر کیا جائے اور ان کی جگہ نوجوان نسل کو خدمت کا موقع دے دیا جائے۔

(بے روزگار گریجویٹس بلوچستان)

بقیہ: غالب کی بیوی کا کلام

میں ہوں اور افسردگی کی آرزو غالب کہ دل
دیکھ کر طرزِ تپاک اہل دنیا جل گیا

؎ بغل میں غیر کی آج آپ سوئے ہیں کہیں ورنہ
سبب کیا خواب میں آکر تبسم ہائے پنہاں کا

؎ تو اور سوئے غیر نظر ہائے تیز تیز
میں اور دکھ تری مژہ ہائے دراز کا

؎ میں نے چاہا تھا کہ اندوہ وفا سے چھوٹوں
وہ ستمگر مرے مرنے پہ بھی راضی نہ ہوا

؎ کیوں اندھیری ہے شب غم ہے بلاؤں کا نزول
آج ادھر کو ہی رہے گا دیدۂ اختر کھلا

؎ واں کرم سے عذر بارش تھا عناں گیر خرام
گریہ سے یاں پنبۂ بالش کف سیلاب تھا

؎ حیف اس چار گرہ کپڑے کی قسمت غالب
جس کی قسمت میں ہو عاشق کا گریباں ہونا

؎ کاو کاو سخت جانیہائے تنہائی نہ پوچھ
صبح کرنا شام کا لانا ہے جوئے شیر کا

؎ کرتے کس منہ سے ہو غربت کی شکایت غالب
تم کو بے مہری یاران وطن یاد نہیں

؎ غالب وظیفہ خوار ہو دو شاہ کو دعا
وہ دن گئے کہ کہتے تھے نوکر نہیں ہوں میں

؎ ہم کہاں کے دانا تھے کس ہنر میں یکتا تھے
بے سبب ہوا غالب دشمن آسماں اپنا

؎ تھی خبر گرم کہ غالب کے اڑیں گے پرزے
دیکھنے ہم بھی گئے تھے پہ تماشا نہ ہوا

؎ سب کو مقبول ہے دعویٰ تری یکتائی کا
روبرو کوئی بت آئینہ سیما نہ ہوا

؎ کچھ تو پڑھئے کہ لوگ کہتے ہیں
آج غالب غزل سرا نہ ہوا

اپنی تنگ دستی کا رونا انہوں نے کئی اشعار میں رویا ہے:۔

پیری و نیستی خدا کی پناہ
دست خالی و خاطر غمگیں

؎ سوز دل کا کیا کرے باران اشک
آگ بھڑکی مینہ اگر دم بھر کھلا

؎ بگڑی ہے بہت بات بنائے نہیں بنتی
اب گھر کو بغیر آگ لگائے نہیں بنتی

؎ بے دلی ہائے تماشا کہ نہ عبرت ہے نہ ذوق
بیکسی ہائے تمنا کہ نہ دنیا ہے نہ دیں